مراثیٔ میرؔ

مرتبہ

سیّد مسیح الزّماں صاحب ایم۔ اے

انجمن محافظ اُردو لکھنؤ کی تیرھویں خدمت

اور

ماہانہ سلسلۂ اشاعت کی گیارھویں کڑی

مراثیِ میر

مرتبہ
عالیجناب سید مسیح الزماں صاحب ایم اے
لکچرر الہ آباد یونیورسٹی

باہتمام
سید حسن الکمال
سکریٹری انجمن محافظ اردو طبع شد

قسط ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۵۱ء

مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ
قیمت فی جلد صرف تین روپیہ

فہرست مراثی میر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

آفت کی بناوٹ ہے قیامت کی نظر ہے
اُڑنے پہ بھی تصویر میں جادو کا اثر ہے

جس طرح انسان اپنے قد و قامت، صورت شکل اور وضع قطع میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہی اُسی طرح اپنے میلان طبع اختیار دلی اور انتخاب ذہنی میں بھی ایک دوسرے کا پابند نہیں ہوتا۔ قدرت کے عطا کیے ہوئے امتیاز کی بنا پر کوئی دراز قد ہے تو کوئی کوتاہ قامت، کوئی سفید فام ہے تو کوئی سیاہ رنگ، اور اپنے قدرت عمل کی بدولت کسی کو سیر و سیاحت پسند ہے تو کسی کو گوشہ نشینی، کوئی رنگینی کا دلدادہ ہی تو کوئی سادگی پر فریفتہ غرض کھانے پینے، گھومنے پھرنے، پڑھنے لکھنے بلکہ ہر اختیاری فعل میں انسان اپنی علیحدہ پسند کا مالک ہوتا ہی اور باوجود اس کے کہ اکثر اپنی پسند اور اپنے انتخاب کے لیے زیادہ مضبوط دلائل بھی نہیں پیش کر سکتا لیکن پھر بھی اپنے حسنِ انتخاب کو دل سے عزیز رکھتا اور خود اُس پر فخر کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں سے بھی تائید کا طالب ہوتا ہی۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے انسان کی پسندیدگی

ناپسندیدگی کی کوئی معقول وجہ نہیں بتائی جا سکتی لیکن اکثر و بیشتر چیزیں وہ ہیں جن کی طرف انسان کا رجحان اس کے معیار مذاق، اس کی استعداد علمی، اس کے ماحول اور اس کی صحبت کی بنا پر ہوتا ہے۔

حنا کے عطر کو خس پر اور خس کے عطر کو حنا پر ترجیح دینے والے ایک دوسرے کے سامنے کسی دلیل سے قائل نہیں ہو سکتے۔ اور آم ایسے پھل سے نفرت کرنے والے اپنی رائے بدلنے پر کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ اپنی تائید میں وہ کوئی ایسی وجہ نہیں بتا سکتے جس سے دوسرے مطمئن ہو جائیں۔ بہرحال اس قسم کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ایسی چیز ہے جو بلا واسطہ طبیعت کا جزو کہی جا سکتی ہے۔ اور جس کے لیے کسی دلیل اور وجہ کی ضرورت نہیں لیکن کسی خاص ملک کی تہذیب سے رغبت اور دوسری سے نفرت، کسی خاص زبان سے اُنس اور دوسری سے بیزاری، کسی مخصوص شاعر کے کلام سے عشق۔ اور دوسروں کی طرف بے توجہی، یہ وہ باتیں ہیں جو صاحبانِ فہم میں بلا وجہ اور خواہ مخواہ نہیں پائی جاتیں بلکہ یہ اُن کے عنوان مذاق اور مبلغ علم پر مبنی ہوتی ہیں۔

کسی نمائش میں سجی ہوئی چیزوں پر ہزاروں ہی آدمیوں کی نگاہیں پڑتی ہیں لیکن ہر شخص کو ہر چیز کی طرف ایک سی توجہ نہیں ہوتی بلکہ ایک کاشتکار کی نگاہ ایک غیر معمولی قد و قامت کے دانۂ گندم پر، ایک انجنیئر کی نظر ایک نو ایجاد مشین پر اور ایک طالب علم کی توجہ ایک مشہور مصنف کی نادیدہ تصنیف ہی پر رک جاتی ہے۔ جس کو وہ اپنی کل سیر و تفریح کا ماحصل سمجھ لیتا ہے۔

دوسری چیزوں کی طرح علم و ادب میں بھی نوع در نوع اور فرع در فرع

التزام ہیں اور ہر شخص اپنے مذاق و استعداد کے موافق اُن سے رغبت و نفرت رکھتا ہے
کسی کو سرور کی نثر میں لطف آتا ہے، کسی کو غالب کا انداز تحریر پسند ہے۔ کوئی ناسخ
کی پابندیوں کو احکام شریعت کی طرح واجب جانتا ہے، کوئی غیر مقید نظم کے رائج
کرنے پر جان دیے ہوئے ہے۔ کسی کو جدید شاعر اور جدت آفریں شاعری میں انتہائی
کیف محسوس ہوتا ہے۔ لیکن خدا کی قدرت ہے کہ ابھی اُن لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جن
کو پرانی وضع کی تخئیل، پُرانا انداز بیان پسند ہے اور بالخصوص یہ کہ سو برس پہلے کی زبان
جو ہماری اس وقت کی زبان سے پہلے دور ہو چکی ہے اس کی شیرینی و لذت اُن کو ابھی
تک ویسا ہی محفوظ و مسرور کرتی ہے جیسا کہ اُن لوگوں کو کرتی ہوگی جن کے سامنے
اُس کا مد مقابل موجود ہی نہ تھا۔

دنیا میں ہر علم و فن کے ماہرین پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں لیکن اُن میں سے
چند ہی ایسے ہوتے ہیں جن کو مقبولیت عام نصیب ہوتی ہے۔ ہندوستان میں اُردو
شاعری کا جہاں تک تعلق ہے، صرف میر ہی کی وہ ذات ہے جس کو اپنے قبل گزرنے
والے نیز بعد میں پیدا ہونے والے، ہر دو گروہ شعراء کے مقابلہ میں مقبولیت عام
کا شرف حاصل ہے۔ اُن کی تاریخ وفات اگر ۱۸۱۰ء صحیح ہے اور اُن کی عمر تذکرہ
نویسوں کی تحقیق کے موافق اسّی اور نوّے ۹۰ سال کے درمیان ہونا اگر محقق ہے تو اُن
کا جو کلام ہمارے سامنے ہے وہ اُس وقت کا ہے جس کو اب سے کم سے کم ایک
سو چوالیس ۱۴۴ اور زیادہ سے زیادہ دو سو پچیس ۲۲۵ برس گزر چکے ہیں اُس زمانے کی زبان
ہم سے مختلف تھی، اُس زمانہ کی تخئیل ہم سے الگ، اُس وقت کا انداز بیان

ہمارے زمانے کے مقابلے میں بہت بدلا ہوا تھا نیز نشست الفاظ اور جملوں کی ترکیبیں اپنی عمر کی درمیانی منزل میں تھیں لیکن باوجود ان سب باتوں کے تمیر کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اُن کے کلام سے آج بھی لوگوں کو عشق ہے اور سب سے بڑی دلیل مقبولیت کی یہ ہے کہ انھوں نے قواعد شعر کے خلاف جہاں جہاں اجتہاد کیا ہے اُس پر کبھی کوئی شخص حرف گیری و نقادی کی جرأت نہیں کرتا بلکہ اس خیال تک کو بے ادبی اور گستاخی سمجھتا ہے۔ اُن کو ایسا مسلم الثبوت اُستاد تسلیم کر لیا گیا ہے کہ دوسرے شخص کو اُن کے مقابل میں لاتے ہوئے پاؤں کانپتے ہیں۔ اُن کے بعد میں گزرنے والے ایسے ایسے کاملین فن نے اُن کے نام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کہ ہر کس و ناکس کے لیے دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اس اُستاد کامل کا سب کلام جو موجود تھا وہ صاحبان ذوق نے رفتہ رفتہ جمع کر کے ایک بڑے کلیات کی شکل میں چھپوا دیا اور اُس کے ضخیم سے ضخیم نسخے موجود ہیں لیکن قدیم اُردو شاعروں کے دستور کے موافق تمیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں مرثیے بھی کہے تھے جو صاحبان ذوق یا صاحبان دولت کے کتب خانوں ہی میں محفوظ تھے اور کبھی کبھی اگر کسی کو کوئی مرثیہ دستیاب ہو گیا تو اُنھوں نے نہایت فخر کے ساتھ کسی ادبی رسالے میں طبع کر دیا تاہم کوئی مجموعہ اُن کے مراثی کا مطبوعہ موجود نہ تھا کہ لوگ اس صنف سخن میں بھی تمیر کی طبع آزمائی کا مشاہدہ کر سکتے۔

ہمارے کرم فرمائے خاص جناب سید مسیح الزماں صاحب ایم۔ اے۔ (لکچرر الہ آباد یونیورسٹی) نے نہایت محنت و جاں فشانی کے ساتھ تمیر کے مرثیوں کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا۔ اور اس کی اشاعت کے خواہش مند تھے۔ ممتاز اور سربرآوردہ پبلشروں کو اس

کا علم ہوا اور اُنھوں نے مروجہ رسم اشاعت گری کے اصول کے ساتھ ساتھ اس کو اپنی محنت شائع کرنے کی خواہش کی لیکن اس قسم کے جملہ منافع کو نظر انداز کر کے ممدوح الصدر نے ہماری انجمن کو یہ شرف حاصل ہونے کا موقع دیا کہ ہم اس مجموعے کو اپنی شائع کردہ کتابوں کی فہرست میں شامل کریں۔

موصوف الصدر ایک علم دوست ہونہار نوجوان ہیں اور ان کی یہ کوشش و محنت جو اس مجموعہ کو جمع کرنے اور ترتیب دینے میں اُنھوں نے کی ہے بیشک قابل صد ہزار تحسین و آفریں ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہم نے بھی انتہائی کوشش کی کہ اس کتاب کے مراحل طباعت بھی نہایت خوش اسلوبی سے انجام پائیں اور بحمداللہ ہم اپنی کوشش میں ایک بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے تاہم بعض وجوہ کی بنا پر اس کے چھپنے میں عین وقت پر تعجیل منظور ہو گئی چنانچہ باوجود ہر ممکن نگرانی کے بھی چند غلطیاں کتابت کی اور چند پریس کی باقی رہ گئیں جن کے لیے ایک غلط نامہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

سید مسیح الزماں صاحب موصوف نے ان مرثیوں کو جن پُرانے نسخوں سے نقل کیا ہے اُن میں بعض الفاظ اپنی کہنگی کی وجہ سے پڑھے نہ جا سکے یا جو کچھ پڑھے جا سکے وہ مناسب محل نہ تھے چنانچہ اُن الفاظ کی جگہ یا تو خالی چھوڑ دی گئی تھی یا جو لفظ جو کچھ پڑھا جا سکا تھا اس کو بعینہٖ اسی طرح لکھ دیا گیا تھا۔ بعض مرثیوں کے بعض بند ایسے بھی تھے جن میں ایک مصرع یا اس سے زیادہ اجزا نہیں پڑھے جا سکے تھے اور ان کی جگہ بھی خالی رہ گئی تھی۔ ہم نے اس قسم کے بندوں کو صفحہ ۲۰۰ پر درج کر دیا ہے تاکہ ان کی محنت بھی ضائع نہ ہو اور مستقل مرثیوں کے درمیان میں بے زیب بھی نہ معلوم ہوں

تاہم کچھ ایسے بند مرثیوں میں پھر بھی موجود ہیں جو مکمل نہیں ہیں اور اُن میں جہاں پر الفاظ کی جگہ چھوٹی ہے وہاں نقطے دے دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے بند بھی مرثیوں میں شامل ہیں جن کے الفاظ مطابق اصل نقل کر دیے گئے ہیں لیکن وہ اپنے ادائے مطلب میں ناقص ہیں اور یہ قیاس کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ اُن کے الفاظ نقل در نقل یہاں تک پہونچنے کی وجہ سے کچھ تغیر و تبدل کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ چند بندوں میں قافیے بھی مکرر ہو گئے ہیں جن کے متعلق شک نہیں کیا جا سکتا کہ صرف بار بار نقل ہوتے ہوتے ان میں تغیر ہو گیا ورنہ جب دوسری لفظ سامنے موجود ہو جو وہاں استعمال ہو سکتی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ میرؔ نے یوں ہی کہا ہوگا۔ اس قسم کی فہرست کا پیش کرنا باعث طوالت بھی ہے اور ہمارے فرض سے علٰحدہ بھی۔ لہٰذا ہم نے صرف اُن بندوں کو جو مرثیوں کے درمیان میں ہونا چاہیئے تھے صفحہ ۳۰۲ پر جمع کر دیا ہے۔

محولہ بالا بندوں شعروں یا مصرعوں میں جو نقائص باقی رہ گئے ان کو ایک صاحب فہم یقینی نظر انداز کر دے گا اور ہم تو اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مرتب نسخۂ ہٰذا نے اپنی اس خدمت سے دنیائے ادب پر ایسا احسان کیا ہے جو کتاب کے باقی رہنے کے وقت تک شکریہ کا مستحق رہے گا۔

سرسری نظر سے پڑھنے والوں کا ذکر نہیں لیکن بغور مطالعہ کرنے والوں کو اس قدیم زبان اور غیر مانوس الفاظ و محاورات میں بھی جو لطف حاصل ہوگا اس کا اندازہ کچھ اُن کا دل ہی بہتر کر سکے گا ہمارے لیے اس بات کا محل نہیں کہ ہم اس مجموعہ سے کچھ مثالیں بھی پیش کر کے یہ بتائیں کہ میرؔ کی شاعری اور اُن کی قدرت ادا کس درجے اور کس پائے کی ہے اور ان کی تخیل کی بلند پردازی ادبی نقطۂ نظر سے

میں کیونکر روح ڈالی گئی ہے۔ ہم یہاں اسی مجموعے کے صرف دو مصرع نقل کرتے ہیں۔

چشم رکھیں تجھ سے سب درویش و شاہ   کج رکھیں تیرے بھروسے پر کلاہ !

اگر موقع ہوتا تو مندرجہ بالا شعر کے صرف دوسرے مصرع پر ہم بھی کچھ لکھتے اور بتلاتے کہ ان چند لفظوں میں شاعر نے کیا جادو بھر دیا ہے۔ اگر صرف بھروسے کی زبان زد عوام لفظ کے صرف کا لطف بیان کیا جاتا تو متعدد صفحات اس کی تفصیل کے لیے کافی نہ ہوتے اور اگر اسی ایک لفظ کے پیش نظر اس شعر کی بلندیٔ تخیل کی شرح کی جاتی تو آنکھیں روشن ہو جاتیں ہمارا تو خیال ہے کہ ع کج رکھیں تیرے بھروسے پر کلاہ، اس مضمون کو اگر اس معنوی گوشے کے ساتھ ادا کرنے کی مثال ڈھونڈھی جائے تو میر کے قبل اور بعد گزرنے والوں میں شاذ و نادر ہی مل سکے گی۔ بہر حال ہم نے اشارتاً یہ عرض کیا ہے کہ میر کے مرثیوں کا یہ مجموعہ اُن کے کلیات میں موجودہ اصناف سخن کے مقابلہ میں کم وزنی نہیں ہے۔ اگر بے محل نہ ہوتا تو ہم بیشتر بند اور مصرع پیش کر کے بتاتے کہ یہ میر ہی کا کام تھا اور اس عنوان ادا پر میر کے سوا دوسرے کو قدرت ناممکن تھی۔ تاہم مطالعہ کرنے والے خود بھی اس کا اندازہ تو کر ہی لیں گے کہ میر کے نام سے دنیا کو جو خلوص ہے وہ محض بہ بنائے شہرت و مقبولیت نہیں بلکہ یہ شہرت و مقبولیت خود بر بنائے انتہائے کمال ہے جو کسی کی ممنون منت نہیں۔

سید مسیح الزماں صاحب دام مجدہم کا ہم جس قدر بھی اعتراف قدر دانی کریں وہ کم ہے کہ انھوں نے ہم کو ان جواہر پاروں کی اشاعت کے لیے منتخب فرمایا اور ہمارے دو سال کے متواتر سلسلہ خدمت کو گویا سند قبولیت عطا فرمائی۔ سید صاحب موصوف کے اظہار شکر گزاری کے ساتھ ساتھ ہمارا فرض ہے کہ ہم دوسرے ان حضرات کا بھی اقرار احسان کریں جو ہماری خدمت ادب کے سلسلے میں ہمارے انتہائی قدردان ثابت ہوئے ہیں اور جن کی ہمت افزائی ہمارے پائے ثبات کے لیے ایک معقول سہارا بنی ہوئی ہے۔ اس

قسم کے اکثر حضرات کا ذکر ہماری پچھلی اشاعتوں میں آچکا ہے لیکن اس مرتبہ خاص طور سے ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اپنی انجمن کے مربی خاص پروفیسر سید ضامن علی صاحب دام مجدہم ایم اے (صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی) کے ان بزرگانہ الطاف اور مخصوص عنایات کا شکریہ ادا کریں جو ممدوح موصوف کی طرف سے ہماری انجمن اور اس کے ارکان کے ساتھ ظاہر ہوتے رہتے ہیں، ہم کو قوی امید ہے کہ ہمارے پرخلوص جذبات کا احساس آپ کو ضرور ہوگا نیز ہم اپنے ان مختصر الفاظ سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ پروفیسر صاحب ممدوح کی سرپرستی ہماری عزت افزائی کے ساتھ ساتھ اردو ادب پر احسانِ عظیم کا بھی ایک قوی ترین ذریعہ رہے گی۔

مقامی و بیرونی رؤسا نیز بعض تعلقداران اودھ نے بھی ہمارے کام سے جو قابل قدر ہمدردی کی ہے اس کا تذکرہ بھی وقتاً فوقتاً پچھلی اشاعتوں میں ہوتا رہا ہے۔ اس پیش نظر جلد کی اشاعت کے سلسلے میں جب اپنے ہمدردوں سے ہم نے اپنے امداد کا ذکر کیا تو ان کو بہت متوجہ اور مشتاق پایا ان حضرات میں کنور امیر حیدر خاں صاحب بہادر بالقابہ دہار راجکمار محمود آباد سے جب ذکر کی نوبت آئی تو ہم نے ان کو بے انتہا کلام میر کا دلدادہ پایا۔ ایک خاندانی رئیس ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا ذوق علمی خاص طور پر قابل ستائش ہے۔ ہم کو آپ کے ذوق شعر کے متعلق تو بہت عرصے سے علم تھا لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد گویا ورد عالم گیا کہ آپ کو میر سے بڑا خلوص ہے اور میر کے منتخب اشعار کا ایک معتدبہ ذخیرہ آپ کے ذہن عالی میں محفوظ ہے۔ آپ نے میر کے مرثیوں کے چھپنے پر بڑا انداز ہمدردی اور جوش اشتیاق ظاہر فرمایا۔ اور آج جبکہ یہ جلد چھپ کر تیار ہونے جا رہی ہے۔ ہم نے مناسب جانا کہ موصوف کا بلاک بھی اسمیں شامل کریں اور ان بڑے لوگوں کی فہرست میں جن کو میر سے انتہائی خلوص ہے آپ کا نام مع آپ کی تصویر کے لوگوں تک پہونچ جائے۔ ممدوح الصدر اپنے ہمچشموں میں بہترین علمی مذاق رکھتے ہیں اور فن شعر میں آپ کو کافی مشق و معلومات ہے۔ انگریزی تعلیم لامارٹینیر کالج میں حاصل کی اور متعدد بار ولایت گئے۔ قوم پرستی اور دینداری آپ کی طبیعت ثانیہ رہی ہے۔ ہماری انجمن آپ کے الطاف قدیمانہ کی مقر اور شکرگزار ہے۔

بہجت لکھنوی، صدر انجمن محافظ اردو۔ لکھنؤ

اعتراف

مراثی میر کی ترتیب و تدوین کے مختلف منازل میں مجھے محترمی پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ام، اے صدر شعبہ اردو و فارسی، لکھنؤ یونی ورسٹی سے جو مدد اور رہنمائی ملی ہے اس کا شکریہ ادا کرنا تو میرے امکان میں نہیں لیکن کتاب کی ابتدا میں اس کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ موصوف کے علاوہ جن بزرگوں، ساتھیوں اور شاگردوں نے اس سلسلہ میں میری مدد کی ہے ان کے نام یہ ہیں :-

(۲) محترمی مرزا جعفر علی خاں آثر لکھنوی

(۳) جس نے مجھے سہارا دیا اور .... (نام نہ لکھنے پر مجبور کر دیا)

(۴) محترمی ڈاکٹر اعجاز حسین

(۵) بیگم ارجمند بانو

(۶) سید متقی حسن صاحب بی۔ اے۔

(۷) مہر النسا صاحبہ ام۔ اے۔

(۸) جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی ناظم رضا لائبریری رام پور

"مرتب"

غلط نامہ کتاب ہذا

صفحہ	بند	مصرع	غلط	صحیح	اُڑا ہوا
۵۰	۵	۴	×	×	حیدر کا نام
۵۱	۱۳	۳	ہوا	نوا	
۵۷	۷	۳	.	.	دل سب
۶۰	۲۳	۲	موئے	سوئے	
۱۲۹	۵	۳	عم	غم	

مقدمه

۷۸۶

مقدمۂ مراثی میر

اردو میں باقاعدہ شاعری کی ابتدا جس طرح دکن سے بتائی جاتی ہے اسی طرح اردو مرثیوں کے قدیم ترین نمونے بھی دکن ہی میں ملتے ہیں۔ سلاطین بہمنی کا مذہب امامیہ ہونے کی وجہ سے وہاں مجالس عزا کا رواج باہر کے عہد سے ثابت[1] ہے، جن میں "ابتدا" تو محتشم کاشی کے بند پڑھے جاتے تھے مگر اس کے بعد بہت جلد دکنی مرثیوں کا آغاز ہوگیا۔ کچھ عجب نہیں کہ اردو شاعری کا آغاز ہی اس صنف سے ہوا ہو۔ اس بحث سے قطع نظر اردو کے جو مرثیے ہمارے سامنے ہیں[2] وہ اس دور کی یادگار

---

[1] نصیر الدین ہاشمی

[2] گارساں دتاسی نے نوری کو اردو کا پہلا مرثیہ گو قرار دیا ہے۔ جو ابوالفضل اور فیضی کا ہم عصر تھا لیکن ابوالحسن تاناشاہ (۱۶۷۲ء ۔ ۸۷ء) کے عہد میں بھی ایک شاعر کا یہی تخلص تھا اور جو مرثیے نوری سے منسوب ہیں وہ اسی دوسرے نوری کے ہیں۔ اسی لیے جب تک پہلے نوری کا کلام نہ ملے نوری کو اردو کا

ہیں جب بہمنی حکومت کے حصے بخرے ہو چکے تھے اور گولکنڈہ کے قطب شاہی اور بیجاپور کے عادل شاہی درباروں میں شاعروں کا جمگھٹا تھا، اس زمانے کے مرثیہ لکھنے والوں میں گولکنڈہ کے محمد قلی قطب شاہ، وجہی، شاہی، غواصی، لطیف، عبداللہ قطب شاہ، کاظم، مرزا، اور بیجاپور کے علی عادل شاہ، ہاشمی، مرزا، سیوا، کے مرثیے ہمارے سامنے ہیں، ان درباروں کی سرپرستی اور ادبی سرگرمیوں سے مرثیہ گوئی کا نہ صرف رواج ہوا بلکہ متعدد ایسے شاعر بھی ہوئے جو صرف مرثیہ ہی کہتے تھے، یعنی شاہی، مرزا، کاظم وغیرہ اردو میں مرثیہ کہنے والوں کا یہ دور تقریباً سو سال کا ہے، جس کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تقریباً تمام مرثیہ گو غزل کی صورت میں مرثیہ کہتے ہیں جو ابتدائی زمانے کے مرثیوں کے علاوہ زیادہ تر مسلسل ہیں۔ اس ایک مشترک خصوصیت کے علاوہ ان مرثیوں کا شروع سے آخر تک مطالعہ کرنے سے ترنم صفائی تاثیر، اور واقعہ نگاری میں تدریجی ارتقار کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ کس طرح ان میں ترقی ہوتی گئی ہے۔

پہلا مرثیہ گو نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ محمد قلی قطب شاہ، جس کے مرثیے موجود ہیں۔ تانا شاہ سے بہت پہلے گذر چکا تھا۔

ڈاکٹر محی الدین زور نے ہاشمی کو پہلا مرثیہ گو لکھا ہے جو سترھویں صدی کے نصف آخر کا شاعر اور مرزا سیوا، شاہی وغیرہ کا معاصر ہے۔ مگر قطب شاہ کے مرثیوں کی موجودگی میں ہاشمی کو پہلا مرثیہ گو قرار دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

محمد قلی قطب شاہ :-

آ دُل کر ماتمیاں سب اس غماں تے لہو رودیں — وا اماماں یا اماماں یاد کر کر دل کھودیں
آہ ہمارے درد تے دریا کوں ہت جوش آ وتا — ماتمیاں کے لہو بونداں تے آگ سب بُج جاوتا
سب دکھاں کوں انت ہوا اس دکھ کے تائیں انت نہیں — فاطمہ کے پوت بن اس جگ منے نہیں نور کہیں
فاطمہ دکھ تے عرش کرسی تے عنم انجھو سٹے
ساتوں آسماں ہور زمیں میں آگ کی بھڑکی اُٹھے

وجہی :-

حسین کا غم کرو عزیزاں — انجھو نین سوں بھرو عزیزاں

یو کیا بلا تھا یو کیا جفا تھا — مگر قضا تھا جو حق دکھایا
محب دلاں کوں اجل کا ساقی — پیالے غم کے سو بھر پلایا
حسین پہ یاراں درود بھیجو — کہ دین کا یو دیوا جلایا

غوّاصی

دستا نہیں کروں کیا او بیان کربلا کا — پھرتا ہوں نارہوں ہیں حیران کربلا کا
اسمان تے خدایا، جبریل اتر کے آیا — روتا او پر تے لایا فرمان کربلا کا

جلتا ہو سور جو تی دنیا کھڑی ہے روتی کاں تے ہوا یو کوفی مہمان کربلا کا
مجھ سکھ نہیں ہو دکھ میں ہوں نیٹ ہال چھن چھن لاگیا ہو رات ہور دن منج دھیان کربلا کا

روتے فلک سب عرش لک سورج ہبار اپنا جھلک مشرق تے تا مغرب تلک اندکار پایا ہائے ہائے
بولے غواصی مرثیہ سن روے دکن کے اولیا ہرساں کا یو مرثیہ کیا کام کیتا ہائے ہائے

یہ مرثیے محرم کی مجلسوں میں پڑھنے کے لیے مذہبی جذبات کے ماتحت لکھے گئے ہیں۔ یہ غزل کی شکل کے ہیں اور غزلوں ہی کی طرح مختصر ہیں۔ جذبات و خیالات کا اظہار بھی سیدھے طریقے سے کیا گیا ہو۔ اس کے بعد کے شاعروں میں بھی اگرچہ زبان کی یہ قدامت اور صفائی کی یہ کمی باقی ہو لیکن تسلسل اور واقعہ نگاری کی جھلک آگئی ہو اشعار کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی ہو اور یہ معلوم ہوتا ہو کہ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ان میں کیا تغیر ہوا ہو۔

عبداللہ قطب شاہ

علی ہور فاطمہ کرتے ہیں دونوں آج زاری بھی
حسن کا ہور حسین کا دکھ لے آیا جگ پو خواری بھی
شہربانو کہی آ کر کہ اے سنسار کے سرور
منجے غربت منے بھاگر نہ جاؤ چھوڑ باری بھی
عروس آ کر پکڑ دامن چلے تو شو ہو جب جو جھن
نشانی کچھ دیو منج کن سو پہاڑ اثیں نماری بھی

حسین کا وقت جب اُٹیا شمر نے آ گلا کاٹیا
حرم کا وِک سینا پھاٹیا دینا اور اپکاری بھی

علی عادل شاہ ثانی

شہ کے غم سوں دل ہمنا لاں ہائے ہائے — جگ برستی جوں انجالاں ہائے ہائے
جگ کے سر دردل کے لہو سوں بھر چلے — پھوڑ کر پلکاں کے بالاں ہائے ہائے
کربلا کی سب زمیں رنگیں ہوئی — لہو بھرے دُلدل کے نعلاں ہائے ہائے
نت کر عادل علی یک دل ستی — شہ کا ماتم ماہ وسالاں ہائے ہائے

اس کے بعد جو مرثیے ہمیں ملے ہیں ان میں صفائی اور روانی کے ساتھ ترنم اور تسلسل بھی موجود ہے، اسلوب بیان کی شگفتگی کے ساتھ ان میں نہ صرف مرثیہ پن ہے بلکہ ادبیت بھی جھلکتی ہے، اس زمانے میں ایک ایک شہید پر پورے پورے مرثیے بھی لکھے گئے، مرثیوں کی اس خصوصیت کے ساتھ ان کی طوالت مرزا کے یہاں بہت نمایاں ہے، ان کے "قصۂ امام حسین" میں ۱۷۵، "قصۂ امام قاسم" میں ۲۱۶، اور "قصۂ حُرِّ شہید" میں ۱۰۷ اشعر ہیں۔ اس کے علاوہ رام راؤ سیوا[1] نے مولانا کمال الدین حسین کی روضۃ الشہداء کا اردو نظم میں ترجمہ کیا:

لطیف

اے اہل درد اشک سوں انکھیاں کوں تر کرو — نکلیا ہے پھر یو ماہ محرم نظر کرو

[1] ولی ویلوری نے بھی عہد جہانگیری میں روضۃ الشہداء کا ترجمہ مثنوی کی شکل میں کیا ہے۔

پھر تن کے عود سوز میں غم کے انگار آج
جیواں کو عود اور دلاں کو اگر کرو
سلطانِ کربلا کی غریبی کوں یاد کر
ٹکڑے جگر کوں اور دلاں کوں خنجر کرو
دولت اوپر ابد کی نظر ہے تو دل کوں آج
گنجینۂ محبت اثنا عشر کرو

شاہی:

ہائے غریب یتیم تمانے عابدؑ تیری زاری ہے
باپ کا مرنا دکھ کا بھرنا تس پر یو بیماری ہے
تیغ کھڑے لے دشمن سر پر واویلا دکھ بھاری ہے
درد مصیبت عابدؑ تم پر آج کے دن لبیاری ہے

مرزا: مرثیۂ حضرت قاسم میں دولھا دولھن کا مکالمہ

کہے دیکھو نہایت لگ یو ملنا ہے سو ساعت لگ
جدائی ہے قیامت لگ کہو یاراں صدا صد حیف
کہے بولو سو میرے کئیں کہ پھر دیدار اب تو نیں
ملوں گا بھی لمن سوں میں کہو یاراں صدا صد حیف
کہے اے شہ جواں کا تل کہ اے آرام جان و دل
بہت ہے منج پر اب مشکل کہو یاراں صدا صد حیف
وقت نیں بات کہنے کا، گھڑی تک ٹھیر رہنے کا

سبب ہے رنج سہنے کا کہو یاراں صدا صد حیف
دیکھو عمو کے غم سوں اب ہوا ہو سب جگر خوں اب
رہے کیوں تاب منج کوں اب کہو یاراں صدا صد حیف
منجے ہے کام اس دل سوں رہو تم صبر کی مل سوں
صبوری ہور تو دل سوں کہو یاراں صدا صد حیف

جنگ کا ذکر

تب اُس چاروں کے داغاں سوں دلِ ازرق ہوا پُر خوں
اپے آیا مقابل کوں کہو یاراں صدا صد حیف
تب او بدبخت بے حرمت کیا قاسم پو گئی ضربت
دلے اُس کوں کہاں قدرت کہو یاراں صدا صد حیف
شجاعت کا ہتا جو حد سو اس حد سوں شہ مسند
کیے سب ہات اس کے رد کہو یاراں صدا صد حیف
غضب میں آ او شیر نر تب ازرق کے نزیک آ کر
کیے اک ہات یوں اس پر کہو یاراں صدا صد حیف

حُر کا امام حسین کی خدمت میں حاضر ہونا

شہ کنے آن اس وقت تازی سوں او غازی کی اوتر
تب مبارک موں رکھے شہ کی رکاب پاک پر

اس وقت خوش حال ہو دل سوں شہ دو جگ پناہ
پیار سوں راکھے مبارک ہات حر کے سر پو شاہ
پنجۂ خورشید تھے دو جگ پو نور افشاں تمام
او مبارک ہات کوں یوں سر پو رکھ بولے امام
کون ہے توں تجھ منے اخلاص کی آتی ہے باس
پیار سوں جو یوں چلیا آیا ہے منج پر درد پاس
حر یو سن بولے ہے یوں اے سرور دنیا و دیں
میں ہوں یک تیرے محباں میں محب کمترین
اس سبب آیا ہوں تا تج پر کروں یو جیو نثار
تج اوپر قربان اچھو مردم کے جیواں لک ہزار
یو مرا مقصود ہے اے قرۃ العین رسول
جاں فشاں تج پر ہوں میں منج کوں محبت میں قبول
او شہنشاہ دو جگ حر تے سنے یو بات جب
اس وقت حر پر ہوئے خوش حال ہور فرمائے تب
آج ہے یے حر ہمارے پر سعادت کا شرف
شاہی فیض ابد یعنی شہادت کا شرف

• • • • • • • • • • • •

دوسرا دور

۱۰۹۷ھ میں بیجاپور اور ۱۰۹۸ھ میں گولکنڈہ اورنگ زیب کے زیر نگیں آگیا لیکن عادل شاہی اور قطب شاہی درباروں کے ختم ہو جانے کے بعد بھی اردو شعر و شاعری لوگوں میں ویسی ہی مقبول رہی اور شعر گوئی اور سخن فہمی کا جو ذوق معاشرت میں رچ گیا تھا اس سے اردو میں شعر کہنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ البتہ یہ ہوا کہ بیجاپور اور گولکنڈہ کے بجائے اب شاعروں کا جمگھٹ اورنگ آباد میں لگ گیا جو دکن میں سلطنت مغلیہ کا صدر مقام تھا۔ اور جہاں دہلی سے لوگ برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ دکن کی اس سیاسی تبدیلی کو ہم اردو مرثیے کے پہلے اور دوسرے دور کی حد فاصل قرار دیتے ہیں۔ اور اب اُن مرثیوں کا ذکر کرتے ہیں جو دوسرے دور میں لکھے گئے۔ محمد قلی قطب شاہ سے لے کر اس دور کے خاتمے تک تقریباً ایک صدی کا فاصلہ ہو۔ اس عرصے میں زبان نکھر گئی اور اظہار پر بھی لوگوں کو زیادہ قدرت ہو گئی، جس کی وجہ سے کلام میں صفائی بھی آگئی اور ہمواری بھی۔ جو الفاظ ارتقائی مدارج سے گزرنے میں زبان کا ساتھ نہ دے سکے اُن کا استعمال بھی گھٹ گیا، مناسب بحروں کا انتخاب، الفاظ کی زیادہ پُرتاثیر ترتیب، شاعرانہ تاویلات اور استعاروں کے حسن کے ساتھ مسمط کی مختلف صورتوں (مربع، مثلث وغیرہ) میں طبع آزمائی اس عہد کے مرثیوں کے ظاہری خصوصیات ہیں۔

پہلے دور کے مرثیوں میں واقعات کربلا کا ذکر یا تو مجموعی حیثیت سے ملتا ہو

یا ان اثرات کے بیان کی صورت میں جو ان غم انگیز واقعات سے لوگوں پر ہوتے ہیں۔ لیکن بعد کے لکھنے والوں نے حضرت قاسم، حضرت حُر اور حضرت علی اصغر کے متعلق اقتضائے حال[1] کے مطابق مضامین پیدا کیے۔ تخئیل کی مدد سے مکالمے گفتگو، اور رسوم کے رنگ بھر کر ان مرقعوں کو ہم سے قریب لائے، جناب شہر بانو کا اپنے کڑیل جوان علی اکبرؑ اور شش ماہے اصغرؑ کو یاد کر کے رونا حضرت زین العابدینؑ کی بیماری اور ضعف اور ننھی سکینہ کی حالت پر کڑھنا وغیرہ سے مرثیے کے لیے نئی راہیں نکالیں، جن سے درد و اثر میں بہت اضافہ ہوا۔

مضامین میں مرزاؔ کے بعد دوسری جدت سیدؔن[2] کے یہاں ملتی ہے، جنھوں نے اپنے ایک مرثیہ میں کربلا میں شادی کا سامان ترتیب دیا۔ حسنِ بیان اور بحر کے مناسب انتخاب نے اس مرثیہ میں بڑی تاثیر پیدا کر دی ہے۔

ماہ محرم میں دیکھو چندا ہو مالی آ گیا
تارے گگن کے گوندکے سہرا جو شہ کوں لا گیا
کنگنا ستم کا باندکر دکھ کا ادبٹنا کوں لگا
حیرت کی چوکی کے اوپر اجھول اسوں تن نہلا گیا

---

[1]: یہ خصوصیت پہلے دور کے آخری شاعر مرزاؔ کے یہاں بھی ملتی ہے۔ لیکن ایک تو مرزاؔ عہد مغلیہ میں بھی کافی دن تک زندہ رہا، پھر ادبی تاریخ میں کسی رجحان یا خصوصیت کے آغاز کے لیے کوئی تاریخ معین نہیں کی جا سکتی ایک دور کے خصوصیات دوسرے دور میں مل ہی جاتے ہیں۔

[2]: تاریخی اعتبار سے سیدؔن کے پہلے بحریؔ کا ذکر کر دینا چاہیے لیکن یہاں ہم اردو مرثیے کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ دکھن کی مرثیہ گوئی کا سرسری جائزہ مقصود ہے۔

دولا حسینا چڑھ ترنگ سر ڈال مکھنا نور کا　　سارے براتی سات لے دولھن کوں بھیانے دھائیا
باجے بجاویں بین کے غم کی نفریاں کا ہو غل　　ملعون لشکر مل سبھی منڈپ نیروں کا چھائیا

اس دور کے دوسرے مشہور مرثیہ گو بحری، ذوقی، احمد، اشرف، امامی، رضی، ولی وغیرہ ہیں:

ذوقی:

اے شمع بزمِ مرتضٰی گھر آج آتے کیوں نہیں　　تاریک ہو تم بن جہاں جلوا دکھاتے کیوں نہیں
وہ جاہلِ دوزخ وطن آئے ہیں باول کے نمن　　جوں برق تیغ صف شکن شہ جگمگاتے کیوں نہیں
وہ شمع بزمِ مصطفٰے بادِ اجل سوں گل ہوا　　سب زدل سوں تن سدا یاراں گلاتے کیوں نہیں
سنتے ہو تم اے موناں شہ کی شہادت کا بیاں　　سب خاک و خوں کے درمیاں تن کوں لٹاتے کیوں نہیں

احمد:

حیف گھائل حسین تن تیرا　　جسم پر خوں ہو پیرہن تیرا
تو کہاں ہور کیدھر تن تیرا　　کیوں بسیرا ہوا ہے رن تیرا

نہیں ملیا بوند کس کتیں پانی　　سخت طفلاں کہ سر پو حیرانی
حیف اصغر نے تجھ کوں رو مانی!　　جگ سوں پیاسا گیا ہو تن تیرا

اشرف:

بانو کہیں اصغر نہیں، اب میں جھلاؤں کس کے تئیں
سونا ہوا ہے پالنا، اب میں سلاؤں کس کے تئیں

نہلا کے میں کپڑے پنہا اس کو بناتی گل نمن
وہ پھول سوکھا نیر بن اب میں پنہاؤں کس کے تئیں

سوتا تھا جب وہ نیند بھر پینے اٹھاتی دود کوں
بے دم ہو دیکھو آج وہ اب میں جگاؤں کس کے تئیں

جب مسکراتا وہ بچا، میں شاد ہوتی دل منے
بے جاں پڑا ہو گور میں اب میں ہنساؤں کس کے تئیں

امامی:

کیوں عرش فرش پر نہ گرا بے قرار ہو — کیوں تاب لا سکے نہ فلک دیکھ ظلم یو
مینائے قد کوں شہ کے شکستہ کیا دیکھو — سنگیں دلاں نے ظلم کی پی کر شراب آج
یارب بحق خواجۂ کونین مصطفےٰ — یارب بحق فاطمۂ ناموس مرتضےٰ
یارب بحق جملہ امامان مجتبےٰ — بر لا ہر اک مراد امامی شتاب آج

رضی:

نالہ و فریاد و واویلا ہوئے پروردگار — غم ستی آلِ نبی کا دل ہوا ہو بے قرار

ظلم دشت کربلا میں دیکھ بے حد وشمار
امتی محشر تلک روتے ہیں کھ سوں زار زار

داغ غم سوں شاہ کے ہر طرف کھلا ہو باغ
لالۂ خونیں کفن ہو دل میں تب سوں داغ داغ

پھول بن میں جب ستی پایا ہو اس غم کا سراغ
جامہ اپنے بر منے پہنا ہو سوسن سوگوار

اس زمانے کی مرثیہ گوئی کا اندازہ کرنے کے لیے یہ مثالیں کافی ہیں۔ لیکن ہاشم علی برہان پوری* کی شخصیت دکنی مرثیہ گویوں میں اتنی ممتاز ہے کہ ان کا ذکر کرنا ضروری ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنا مجموعۂ مراثی ردیف وار مرتب کرکے اس کا نام "دیوانِ حسینی" رکھا۔ دیوانِ حسینی میں ۲۳۸ مرثیے اور سلام ہیں۔ یہ مرثیے غزل مربع اور مخمس کی شکل میں ہیں۔ حضرت قاسم کے حال کے ایک مرثیے سے کچھ بند یہاں لکھے جاتے ہیں:

جلوے سے اٹھ کے رن کو چلا اب کہی دولھن
دامن پکڑ کے لاج سوں انجھواں بھرے نین

مت چھوڑ کر سدھارو تم اس حال میں ہمن
تم بن رہے گا ہائے یہ سونا بھون مرا

کیسی یو کدخدائی و کیسی ہے یو برات
آیا فراق تم سوں یہ جلوے کی آج رات

گھر کو نہ لے گئے ہو نہ بولے ہو ہم سوں بات
دیکھا نہیں جمال کوں بھر کر نین مرا

اس کربلا کے بن میں اکیلی میں کیوں رہوں
تجھ باج میں جہاں میں پھر امید کیا دھروں

جد کے مدینہ کیونکہ میں اس ٹھار سے پھروں
تم اپنے ساتھ لے کے دکھاؤ وطن مرا

---

* ہاشم علی بارھویں صدی کے شاعر ہیں اور تخلص کے بجائے اپنا پورا نام مرثیوں میں نظم کرتے ہیں۔

قاسم کھڑا انھار و تے نین سن دولہن کی بات
غم ناک اپنا دیکھ کے دامن دلھن کے ہات
تب آہ درد ناک سوں بولا دولہن کے سات
اے بوستانِ راحت و سروِ چمن مرا

منج کوں نہیں ہو تیری جدائی کا اختیار
تیرے فراق سات میں جاتا ہوں اشکبار
میں کیا کروں علاج نہیں حکمِ کردگار
حق نے کیا ہو رن میں مقرر رہن مرا

ہو داغ دل میں تیری جدائی کا کیا کروں
نہیں ہو امید رن سے پھر آکر تجھے ملوں
جو کچھ ہوا ہو مقدوروں میں راستی کہوں
وعدہ ہوا ہو حشر میں تم سوں ملن مرا

یہ اقتباس حضرت قاسم کے حال کے ایک مرثیے کا ہے جس میں وہ میدانِ جنگ میں جانے کے لیے اپنی دولھن سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر طرفین کے جذبات کی ترجمانی شاعر نے جس درد بھرے انداز سے کی ہو وہ قابلِ ستائش ہو۔ اس دور کے مرثیوں میں مکالموں کی وجہ سے نہ صرف اصل منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہو بلکہ کرداروں کے خاکے بھی سامنے آجاتے ہیں اور کربلا کے واقعات میں ایسی جھلکیاں ملنے لگتی ہیں کہ وہ سامعین کے دل سے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔

پہلے دور کے مرثیوں میں ان باتوں کی کمی کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہو کہ اس عہد میں مرثیے کسی خاص فرد کے حال میں نہیں کہے گئے۔ دوسرے دور میں جب شہیدوں کے حال کے الگ الگ مرثیے لکھے گئے تو ان میں جذبات کی ترجمانی، رخصت، جنگ، شہادت، اور بین کا بھی بیان کیا گیا اور اس طرح

ان تمام عناصر کی جھلکیاں آگئیں جو لکھنؤ پہونچ کر ارد و مرثیے کے اجزائے ترکیبی قرار پائے۔

ان مرثیوں کے کردار اور جذبات نگاری کے متعلق اتنا اور کہہ دینا ضروری ہو کہ ان میں ہندوستانی ماحول و فطرت کا خاص خیال رکھا گیا ہو۔ ماں بہن، بیوی، دلہن شادی وغیرہ کے بیان میں یہاں کے ماحولی خصوصیات نمایاں ہیں جن سے اشخاص مرثیہ کے ساتھ ہماری ہمدردی بڑھ جاتی ہو اور ہم ان کے مصائب سے اور زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

شمالی ہند

ہاشم علی، ولی کے ہم عصر ہیں۔ شمالی ہند میں اُن کے معاصر فائز دہلوی ہیں، جو شمالی ہند کے پہلے صاحب دیوان شاعر بھی ہیں۔ انھوں نے مرثیے نہیں لکھے لیکن ولی سے متاثر ہو کر جب دہلی میں شعر و شاعری کا چرچا عام ہوا تو غزلوں کے ساتھ ساتھ یہاں کے شاعروں نے مرثیے بھی کہے اور دکن کی طرح یہاں بھی بہت سے شاعروں نے صرف مرثیے لکھے۔ میر تقی میر مصطفےٰ خاں یکرنگ کے مرثیوں کا یہ نمونہ دیا ہو۔

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدانِ کربلا گلزار کی نمط ہے بیابانِ کربلا
کھانے چلا ہو زخم ستم ظالموں کے ہاتھ دھو ہاتھ زندگی سیتی مہمانِ کربلا
اندھیر ہو جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ ہو سر بریدہ شمع شبستانِ کربلا

یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ دکن کے مرثیہ گویوں سے اہلِ ہند ناواقف تھے اور اس فن نے وہاں جو ترقی حاصل کی تھی اس سے شمالی ہندوستان والوں نے کوئی

اثر نہیں لیا۔ اس زمانے کے اکثر تذکروں میں دکن کے مرثیہ گویوں کا ذکر ملتا ہو۔ مثلاً

"شاہی دکھنی شاہ قلی خاں در حیدرآباد از مسلکان تاناشاہ بود۔
بیشتر مرثیہ می گفت۔ از قدما بود۔" (گلزار ابراہیم صـ۱۶۳)

"عبداللہ قطب شاہ۔ ریختہ گفتن بہ زبان دکھنی بسیار رواج گرفت۔
بادشاہ مذکور نیز طبع موزوں داشت۔ اکثر در مرثیہ حضرت ابی عبداللہ الحسین
علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر می گفت" (مخزن نکات صـ۳)

"شاہ قلی خاں، شاہی تخلص، اکثر حسب الایائے بادشاہ مذکور شعر مرثیہ فکر
می کرد۔ چنانچہ سابق بر ایں پنجاہ سال، ابیات مرثیہ اش در بلاد ہندوستان دست
بدست گردیدہ اند" (مخزن نکات صـ۶)

میر و سودا کا زمانہ جسے اردو شاعری کے عہد زریں کے لقب سے یاد کیا جاتا ہو، وہ زمانہ ہو جس میں شعر و شاعری کا چرچا گلی گلی تھا، ہر کس و ناکس اس میں دلچسپی لیتا تھا، جابجا مشاعرے ہوتے تھے، شاگردوں کے گروہ استادوں سے اصلاح لیتے تھے، امرا و نوابین کی صحبتوں میں بھی یہی چرچے عام تھے، اس زمانے کی شاعری کا عام رجحان تو غزل کی طرف تھا لیکن مرثیہ گوئی کا رواج بھی بہت تھا، اس عہد کے بہت سے شاعروں کے غیر مطبوعہ مرثیے ہماری نظر سے گذرے جن سے پتہ چلتا ہو کہ یہ شاخ ادب لوگوں میں قصیدے سے زیادہ مروج تھی، قصیدہ گوئی میں تو فارسی شاعروں اور سودا کے قصیدوں نے علمیت اور مشکل پسندی کا ایسا معیار قائم کر دیا تھا کہ ہر ایک اس صنف میں طبع آزمائی کرتے ہچکچاتا تھا۔ لیکن مرثیے میں حصول

ثواب کے خیال سے سب ہی کچھ نہ کچھ لکھتے تھے اور اسی ثواب کے خیال سے لوگ مرثیے کی خامیوں پر انگشت نمائی کرنا بھی خلافِ ادب سمجھتے تھے۔ ایک بیان ملاحظہ ہو:

"قائم اور سودا کے بیانات سے ظاہر ہو کہ مرثیہ گوئی کی حالت ابتر تھی۔ اور نااہل شاعروں کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی۔ عیوب پر مذہبی احترام اور عقیدت پردہ ڈال دیتے تھے۔ مرثیہ گو بے تکان طبع آزمائی کرتے تھے اور صلہ پاتے تھے۔ اکثر شاعروں نے تو مرثیہ گوئی کو معاش کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ اس میں تنقید و تنقیص کی ضد سے بھی بچاؤ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ سودا جیسا بیباک ہجو گو بھی اعتراض کرنے سے ہچکچاتا تھا۔۔۔۔۔۔ لیکن زمانے کے اربابِ فن اور اساتذہ تنقید نے اس خرابی کو محسوس کیا اور حکم لگا دیا کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" یہ کلیہ تاریخی حیثیت رکھتا ہو اور اس میں اس زمانے کی مرثیہ گوئی کی ابتری و خرابی کی داستان مضمر ہے۔" [۱]

اس زمانے کے مرثیہ گویوں میں سودا، میر، مسکین، حزیں، غمگین، محمد تقی، نظر علی، نعیم، علی قلی ندیم، گدا، مہربان، عاجز، محب، محزوں، جعفر علی حسرت، احقر، صوفی، سکندر وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے مرثیے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ بہت سے ایسے ہندی کے لفظ ہیں جو اردو کے دوسرے اصناف میں استعمال نہیں کیے جاتے مگر مرثیوں میں جگہ پاتے ہیں۔ گویا مرثیہ گویوں کے فنی لوازم ہی

---

[۱] چاند: سودا صفحہ ۲۸۶

اور اصناف سے علیحدہ ہیں۔ یہ شاید اس وجہ سے ہو کہ مرثیے عوام کو رلانے اور انھیں متاثر کرنے کے لیے لکھے جاتے تھے اس لیے ان میں ایسے الفاظ بھی استعمال کیے گئے جو امرا اور اہل علم طبقے کی زبان پر نہیں تھے لیکن عوام میں رائج تھے۔ ان الفاظ کے بغیر عوام کو رلانا اور ان کے دل کے تار چھیڑنا دشوار تھا۔ اس طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرثیہ گویوں کے پیش نظر سوسائٹی کا اعلیٰ طبقہ ہی نہیں تھا بلکہ ایسے وقت میں کہ شعر و ادب کی نگاہیں دربار اور امرا پر لگی ہوئی تھیں۔ مرثیے نے اور طبقوں کو بھی سامنے رکھا۔

میر تقی میر

اردو ادب کے مورخین میں کسی کو اس میں شبہ نہیں کہ میر نے مرثیے کہے ہیں۔ لیکن ان کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا۔ متعدد اشاعتیں جو میری نظر سے گزریں ان میں بھی کوئی مرثیہ شامل نہیں ہے۔ ایک عرصے تک کلیات سودا کے رسالہ "سبیل ہدایت" میں جس مرثیے پر اعتراضات کیے گئے ہیں اسے لوگ میر تقی میر کا سمجھتے رہے، لیکن شیخ چاند نے اپنے تحقیقی مقالے "سودا" میں اس غلط فہمی کو دور کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ مرثیہ جس کا پہلا بند یہ ہے:۔

دلوں پر محبوں کے حالت عجب ہے مصیبت ہے، ماتم ہے، غم ہے، تعب ہے
غرض کیا کہوں کس دشمن کا غضب ہے حسین علی کی شہادت کی شب ہے

میر کا نہیں بلکہ اسی زمانے کے ایک اور مرثیہ گو میر محمد تقی عرف میر گھاسی متخلص بہ تقی کا ہے۔

۱۹۲۸ء میں رسالہ نیرنگ رامپور نے میر نمبر نکالا تھا، جس میں میر کے

نو مرثیوں کا ذکر کر کے ان میں ہر ایک کا پہلا بند شایع کیا تھا۔
اس کے بعد اسی رسالہ نیرنگ کے ایڈیٹر جناب عشرت رحمانی نے انھیں میں کے چھ مرثیوں اور ایک سلام کی نقل انجمن ترقی اردو کو بھیجی جو اردو کے اپریل ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں شایع ہوئی۔
ہمارے علم میں میر کے مراثی اس کے علاوہ کہیں اور شایع نہیں ہوئے۔"

کلیات میر کے قلمی نسخوں میں ہماری نظر سے صرف دو ایسے گزرے ہیں جن میں ان کے مرثیے شامل ہیں۔ ان میں سے ایک رضا لائبریری رام پور میں ہے اور دوسرا محترمی پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم اے، صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی کے ذاتی کتب خانے میں۔ رام پور کے نسخے میں صرف نو مرثیے ہیں جو نیرنگ اور اردو میں شائع ہو چکے ہیں۔ پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی کے نسخے میں ۳۹ مرثیے اور سلام ہیں۔ رام پور کے نسخے میں صرف دو ایسے مرثیے ہیں جو پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی کے نسخے میں نہیں ہیں۔ اس طرح میر کے کل اکتالیس مرثیے اور سلام دستیاب ہوئے جن کا یہ مجموعہ پہلی مرتبہ شائع کیا جا رہا ہے۔
میر نے مرثیے، مسدس، مربع، ترجیع بند، ترکیب بند اور منفردہ لکھے ہیں، جن میں مربع زیادہ ہیں۔ مرثیوں کے آخر میں انھوں نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور اپنے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ انھیں اس کا بھی یقین ہے کہ ان کے مرثیے بہت

مؤثر اور اتنے کامیاب ہیں کہ انھیں سن کر لوگوں پر رقت طاری ہو جاتی ہو۔

کہوں یہ واقعہ آگے تو ختم ہو   دلوں کو میرؔ صد گونہ الم ہو

خاموش میرؔ اب نہ کریں اس سخن سے ساز   چپ رہ خدا کو مان کہیں لے زباں دراز
ہر حرف تیرے منہ سے نکلتا ہو شعلہ زن   سینے میں دوستوں کے ہوا جائے دل گداز

بس اب تو میرؔ رکھ لے ٹک زبان کو   یہیں سے چھوڑ دے اس داستان کو
رلاوے گا کہاں تک مردمان کو   نہیں طاقت رہی مژگاں تری کی

ان کا یہ خیال صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس میں شبہ نہیں کہ میرؔ نے اپنے مرثیوں میں گریہ خیز پہلو بہت پیدا کیے ہیں اور کربلا کے واقعات میں سے درد انگیز مناظر منتخب کر کے انھیں بار بار نظم کیا ہو۔ مثلاً حضرت علی اصغرؑ کے لیے پانی کا سوال، امام حسینؑ کی شہادت اور اس کے بعد کی لوٹ مار، حضرت عابدؑ کی اسیری، اہل حرم کی بے چادری، حضرت قاسمؑ کی شادی وغیرہ۔

ایک کہے کتنی نوشہ قاسمؑ کیا بیاہ رچایا تھا   کیا ساعت تھی نحس وہ جس میں بیاہنے کو تو آیا تھا
لگ گئی چپ ہی اکیلا اتنی ہی کیا لایا تھا   منہ بولے ہی اب تک میرے ہاتھ کی مہندی لگائی ہوئی

کوئی کسی ملت میں یارو ایسا ستم بھی کرتا ہے   سبط نبی فرزند علی کا ناچاری سے مرتا ہے
دل تو چاہے جینے کو پر موت پہ جی کو دھرتا ہے   کیا سمجھے تھے شامی کوفی جن سے ایسی برائی ہوئی

اس واقعے کے بعد بھی تھا دل میں یہ خیال
گاڑیں گے تیری لاش بصد عزت و جلال
ماتم رکھیں گے دیر بہت کھینچیں گے ملال
سو خاک میں بھی تجھ کو نہ دیکھا چھپا ہوا

فلک تو نے عجب چوپڑ بچھائی
سمجھ میں چال تیری کچھ نہ آئی
امام دیں نے جاں بازی لگائی
موا لیکن نہ اپنے جی کو ہارا

نہیں بھائی بھتیجوں کا ٹھکانا
میسر سب کو آیا جی سے جانا
کسو کا تن ہو تیروں کا نشانا
کسو کا سر ہوا ہو چار پارا

جہاں تاریک ہو بیٹے بھتیجے مر گئے سارے
رفیق ایک ایک گن کر دشمنوں نے جان سے مارے
جفائیں سہتے سہتے باز ماندے شاہ کے ہارے
چراغ اک نیم کشتہ سا ہو باقی سو بھی مضطر ہو

جانے میں جی سے تیرے بہت آئے ہم بہ تنگ
عائد ہوئے ہزار طرح کے ادھر کو ننگ
کچھ زندگی کا ڈھنگ بھی ہو مت کرے درنگ
پاس اپنے ٹک ہمیں بھی شتابی بلا حسین

بندی ہوئے چلے ہیں کسو اور بے نصیب
سجاد دست بستہ بھی ہمراہ ہے غریب
وقت وداع پہونچا ہی آ کر بہت قریب
دے تجھ کو خواب مرگ سے کوئی جگا حسین

شش ماہہ طفل اصغر ایسا ستم نہ سہتا
یہ بھل باتیں ہم کو ہر اک نہ منھ پہ کہتا
جوش و خروش سے یوں دریائے خوں نہ بہتا
لوہو سے اقربا کے ہوتی نہ خاک گارا

رخصت امام کے متعلق ایک پورا مرثیہ ہے جس میں بھائی کی بہن سے جدائی کا مضمون بہت مؤثر انداز سے باندھا ہے:

ساتھ والا نہ کوئی ہووے رہوں میں صد حیف
بن حریفوں کے یہ خمخانہ ہے سارا بے کیف
پھر جو بازو تھے وے سب ہیں علفِ خنجر و سیف
قاسم اکبر کے تئیں کھا گئی تلوار بہن!

اپنی حالت بیان کرنے کے بعد باقی ماندوں کے متعلق وصیتیں بھی رخصت کا جزو ہیں اور میر کے یہاں ان کا بیان کافی دردناک ہے۔ اختصار کے خیال سے ہم یہاں صرف دو مقاموں سے جو حضرت عابد اور جناب سکینہ سے متعلق ہیں ایک ایک بند نقل کرتے ہیں:

ایک تو تپ سے رہتی ہے نہایت ہو حقیر
دوسرے جاتے رہے ہم سب خرد و پیر
تیسرے مرگِ پدر سخت کرے گی دلگیر
مار ہی ڈالے گا آزار پہ آزار بہن!

جس گھڑی جان مری تن سے جدا ہووے گی
دن کی ہو جاوے گی شب تیرہ ہوا ہووے گی
درہمی برہمی سے حشر بپا ہووے گی
اس قیامت میں سکینہ سے خبردار بہن!

ایک روایت یوں نظم کی ہے کہ اتمامِ حجت کے لیے امام حسینؑ نے یہ صورت پیش کی کہ وہ ملک عرب کو چھوڑ کر کسی اور طرف نکل جائیں۔ عمر سعد اس پر راضی نہیں ہوا۔ اس جگہ ایک عیسائی بھی موجود تھا اس نے ان لوگوں کو قائل کیا کہ ان کا یہ فعل انتہائی ظالمانہ ہے

اور انھیں یہ کہہ کر غیرت دلائی کہ عیسائی تو حضرت عیسیٰؑ کی بھی اہانت گوارا نہیں کر سکتے تم لوگ آخر کیسے مسلمان ہو کہ محمدؐ کے نواسے کے ساتھ یہ بدسلوکی کر رہے ہو۔ اسی مضمون سے ملتا جلتا سوداؔ کا بھی ایک مرثیہ ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے:

میں ایک نصاریٰ سے یہ از رہ نادانی ۔۔۔ پوچھا کہ مسلماں ہے یہ بولا وہ نصرانی
عیسیٰؑ کے نواسے کو دن عید کے قربانی ۔۔۔ کرتے تو ہمیں پھبتا دعوائے مسلمانی

دونوں میں فرق ہے تو یہ کہ سوداؔ کے یہاں نصرانی شاعر سے مخاطب ہے اور میرؔ کے یہاں اہل شام سے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی یزیدیوں نے ایسا قابل ملامت کام کیا ہے جس پر دوسری قوم کے لوگ بھی نفرین کرتے ہیں۔

امام حسین کی شہادت کے بعد عورتوں کی فریاد اور حضرت عابد کی مصیبت، ان کی ذمہ داریاں، ان کی تنہائی کے بیانات، میرؔ کے خاص موضوع ہیں، سردار کا مارا جانا گھر کی تباہی، مخدرات کے بین، نئے امام کی مجبوریاں بے شبہ ایسے بیانات ہیں جو سننے والوں کا جگر خون کر سکتے ہیں لیکن کربلا کے دردانگیز مناظر میں سے انھیں کا بار بار ذکر اس اہمیت کا پتہ دیتا ہے جو ان واقعات کو میرؔ کے ذہن میں حاصل ہے۔ میرؔ کے عنفوان شباب ہی میں ان کے والد انتقال کر گئے اور ایک بڑے بھائی کی موجودگی کے باوجود گھر کی ذمہ داریوں کے علاوہ والد کے چھوڑے ہوئے قرض کا بار بھی میرؔ کے سر آیا۔ اعزا و اقربا نے آنکھیں پھیر لیں۔ انھیں کے الفاظ ہیں:

"کسانیکہ پیش درویش خاک پائے مرا کحل البصر می ساختند یکبار از نظر انداختند"[1]

[1] ذکر میر۔

یہ زمانہ میرؔ کے لیے اس قدر تکلیف دہ ثابت ہوا کہ اس کی یاد ان کے مزاج کا جزو بن گئی۔ شاید یہی سبب ہو کہ وہ حضرت عابدؑ کی حالت کو سب سے زیادہ افسوسناک سمجھتے ہیں اور گریہ و بکا کے لیے مرثیوں میں اس کا ذکر بار بار لاتے ہیں۔

میرؔ کے مرثیوں میں درد و تاثیر ہے، ان کے لہجے میں گداز اور سوز بھی ہے لیکن اس کے باوجود ان میں وہ نشتریت نہیں ہے جو ان کی غزلوں کی خصوصیت ہے۔ ان کی شاعری کی بلندی، ان کی عظمت کا راز ان کے درد انگیز اشعار میں ہے۔ اس سلگنے والی کیفیت میں ہے، اس گھٹی ہوئی کراہ میں ہے جو ان کی غزلوں میں دوڑی ہوئی ہے اور جس نے انھیں وہ مقبولیت بخشی ہے کہ شاعری میں درد و غم اور میرؔ ہم معنی ہو گئے ہیں۔ ان کے مراثی چونکہ اب تک منظر عام پر نہیں آئے۔ اس لیے ان کے متعلق لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی غزلوں کی طرح ان کے مرثیوں میں بھی درد و الم، اشک و آہ کا ایسا وفور ہوگا کہ اردو کا کوئی مرثیہ گو اس پہلو سے ان کا مقابل نہیں ہو سکے گا۔ میرؔ کے مراثی کا یہ مجموعہ دیکھ کر ایسی توقع رکھنے والوں کو مایوسی ہو تو عجب نہیں۔

بچپن میں جو بچہ بڑے لاڈ پیار سے رکھا جاتا ہے وہ ہمیشہ اپنے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے لگتا ہے اور اپنے اردگرد کے لوگوں سے اپنے کو افضل و برتر سمجھتا ہے۔ میرؔ اگرچہ اپنے والد کے پہلے بیٹے نہ تھے۔ لیکن اپنی والدہ کے پہلے لڑکے تھے۔ اس لیے بچپن میں ان کی ناز برداریوں میں کوئی کمی نہیں ہوئی بڑے ہوئے تو ایک طرف بڑے بھائی کی موجودگی باپ اور دوسرے گھر والوں کو ان کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ دوسری طرف ماں کی محبت میں ایک ادر

حصہ دار ان کا چھوٹا بھائی پیدا ہو گیا۔ اور ماں کی محبت جو صرف ان کے لیے مخصوص تھی نومولود کی طرف منعطف ہو گئی۔ ایسی حالت میں بہت ممکن تھا کہ ان کے دل میں اپنی اہمیت کا جو احساس پیدا ہو گیا تھا وہ اس قسم کے صدہا بچوں کی طرح زیادہ پختہ نہ ہوتا اور کھیل کود میں فنا ہو جاتا۔ لیکن ان کے والد سے عقیدت رکھنے والے سید امان اللہ کے پاس انھیں اپنے اس جذبے کی تسکین کا سامان ملا۔ یہ انھیں کے پاس رہنے لگے۔ سید امان اللہ ان کی ناز برداریاں کرتے، اپنے لڑکے کی طرح عزیز رکھتے اور تعلیم دیتے۔ ذکر میر میں لکھتے ہیں:

"لمحہ از خود جدا نمی کرد و بناز و نعم می پرورد"

اس حالت میں سن شعور کو پہونچے۔ سید امان اللہ کی رحلت کے بعد ان کی نازک مزاجیوں کا جو سہارا ٹوٹا اس کا جھٹکا وہ پوری طرح محسوس بھی نہ کرنے پائے تھے کہ ان کے والد کا بھی انتقال ہو گیا اور ناز پروردہ نوعمر میر پر مصیبتوں اور پریشانیوں کا ریلا ہو گیا۔ بڑے بھائی باپ کی کل جائداد تین سو کتابیں لے کر الگ ہو گئے اور انھیں کتابوں سے بے واسطہ کہہ کر کوئی حصہ نہیں دیا۔ تین سو روپے جو باپ پر قرض تھے ان کی ادائی بھی اسی بچے پر عاید ہوئی۔ جو لوگ اب تک میر سے بڑے تپاک سے ملتے تھے اور ان کی ہر طرح عزت اور خاطر کرتے تھے اب آنکھیں چرانے لگے۔ انھیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ساری دنیا ان کی دشمن ہو گئی ہو۔ ان کی جو قدر و منزلت تھی وہ ان کے باپ کے وصف اضافی کی وجہ سے تھی۔ خود ان کی کوئی قدر نہ کرتا۔ اس احساس سے ان کی چوٹ کھائی ہوئی شخصیت جو سید امان اللہ کے لاڈ پیار سے اپنی

نظر میں پہلے ہی سے بہت اہم ہوگئی تھی۔ اب اہم تر ہوگئی، اہل وطن کی ناقدری اور بدخلقی کے شاکی ہو کر وہ دہلی آگئے۔ یہاں ان کی سرپرستی بھی ہوئی، قدر دانی بھی جس نے انھیں خود پسند بنا دیا۔ جتنی جتنی ان کی مشق سخن بڑھتی گئی اتنی ہی لوگوں کے دلوں میں ان کی جگہ ہوتی گئی۔ اُمرا انھیں اپنے مشورے میں شریک رکھتے، سیاسی گتھیوں کے سلجھانے میں ان کا حصہ ہوتا۔ ان کی شاعری کی سب تعظیم کرتے لیکن ان کے دل میں اپنی ناقدری کی چوٹ اور اپنی اہمیت کا جو احساس تھا اس کی تسکین اس سے نہیں ہوتی تھی، اپنے کو اژدر اور دوسروں کو سانپ بچھو بنانا، آصف الدولہ کو خاطر میں نہ لانا، چوبدار کے ذریعہ گھر پر خلعت پانے سے بگڑ جانا، نواب اودھ سے راستے میں باتیں کرنے سے انکار کر دینا، حاکم وقت کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہونا، ایسے ہی کتنے واقعات ہیں جو واضح طور پر ایک ایسے ذہن کا پتہ دیتے ہیں جو متوازن (NORMAL) نہیں اور جسے ہر وقت یہ احساس کھائے جاتا ہو کہ لوگ اس کی توہین کرنے، اس کی اہمیت گھٹانے اور اس کا مرتبہ گرانے کے درپے رہتے ہیں۔ ان کے لیے دنیا میں سب سے اہم اپنی شخصیت ہو۔ سب سے بڑا اپنا غم ہو۔ شدت کے ساتھ خود مگر (SELF CENTRED) بن کر انھوں نے (عمر کے آخری حصے میں خصوصاً) اپنے اردگرد ایک ایسی خیالی دنیا بنالی جس میں سب کچھ انھیں کی ذات تھی۔ اسی لیے اپنے مذہبی جذبات کے باوجود جب میر امام حسینؑ کے غم میں آہ و نالہ کرتے ہیں تو ان کے بیان میں وہ درد وہ کسک، وہ نشتریت نہیں پیدا ہوتی جو ان کی غزلوں میں ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ میر کے مرثیوں میں درد و اثر کا فقدان ہے! ان کے

معاصرین کا کلام نظر میں رکھنے کے بعد بڑی آسانی سے یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کے مرثیے ان کی غزلوں سے نشتریت میں کم ہوں تو ہوں، دوسروں کے مقابل میں پست یا کمتر نہیں ہیں۔ دیکھیے۔

میاں مسکین:

جفا کے دشت میں جس دم گیا حسینؑ غریب　　اور اس کا نام فلک نے رکھا حسینؑ غریب
جنگل میں باپسر و اقربا حسینؑ غریب　　شہید ہونے کو اترا رہا حسینؑ غریب

قضا نے اس کو کہا فاطمہ کے بیٹے آ　　یہ دشت سونا ہے تجھ بن اسے تو آ کے بسا
زمیں نے تجھ کو بلایا ہے اس میں آ کے سما　　اور اپنا نام تو اس میں رکھا حسینؑ غریب

اجل نے اس کو کہا فاطمہ کے ورثہ دار　　تمہارا میرا ستاون برس کا تھا اقرار
قرار ہو چکا اب کھاؤ خنجر و تلوار　　کہو اجل کے حوالے ہوا حسینؑ غریب

گدا:

جب آ کربلا میں وہ گردش کی ماری　　ہو فاطمہؑ کی علیؑ کی پیاری
گنوایا وہ شاہی، لٹا شہریاری　　چلی شام کو قید ہونے بچاری

فلک کو مخاطب کیا کاے ستم گر　　تجھے کچھ بھی ہو شرم اے تیرہ اختر
نبوت کو ویراں کیا ظلم سو کر　　اٹھے میرے وارث کئی ایک باری

سناؤں سو کیا آگے غم کی کہانی | کہ دل ہو گیا شرم سے پانی پانی
میں دکھ کی تو کچھ بات کہہ کر نہ جانی | زبانِ قلم بھی ہے لکھنے سے ہاری

ہاں ان کے معاصرین میں صرف سوداؔ کے مرثیے ایسے ہیں جو مجموعی حیثیت سے ان سے بہتر ہیں۔ تاثیر کے علاوہ ان کے چہرے اور جنگ وغیرہ کے مناظر زیادہ کامیاب ہیں، اس کے علاوہ سوداؔ نے اپنے مرثیوں میں بین کے گوشے نکالے ہیں کہ مجموعی حیثیت سے انھیں میرؔ سے بہتر مرثیہ گو ماننا پڑتا ہے۔ ان دونوں استادوں کا ایک ایک مرثیہ ایک ہی زمین میں ہے۔

سوداؔ :- بدن میں زخم ستم رن میں جب اٹھائے حسینؑ
میرؔ :- سنو یہ قصہ جانکاہ کربلائے حسینؑ

درد و اثر کے اعتبار سے ان دونوں میں میرؔ کا مرثیہ سوداؔ سے بہتر ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ میرؔ نے سوداؔ کا مرثیہ سامنے رکھ کر مرثیہ کہا ہے اور اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرؔ بھی قادر الکلام شاعر ہیں۔ مجموعی حیثیت سے سوداؔ کے مرثیوں کے بہتر ہونے کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ان کا ہر مرثیہ میرؔ کے ہر مرثیہ سے بہتر ہے۔

میرؔ نے مرثیوں میں اپنے زمانے کے رسوم اور معاشرت کے عناصر بھی داخل

---

۱ : رضا لائبریری، رام پور کے نسخے میں یہ عبارت ملتی ہے: "بطرز مرزا رفیع گفتہ"

کیے ہیں۔ ان کے مطالعے سے ان کے زمانے کی عزاداری کے متعلق بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اب غالباً متروک ہوگئی ہیں۔ مثلاً نوحہ و ماتم میں جس طرح آج کل حسین حسین۔ حسین امام حسین حیدر، حسن حسین، یا حسین شاہ حسین، کی صدائیں لگائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اُس وقت "ہے دوست ہے دوست" کی صدائیں لگانے کا بھی رواج تھا۔ محرم میں لوگ سیاہ کپڑے کی کفنی پہنا کرتے تھے اور اظہار غم کے لیے نعل اور لوہے کی دوسری چیزوں کو گرم کر کے اپنے جسم کو داغ لیا کرتے تھے ان کا مرثیہ:

محرم کا نکلا ہو پھر کر ہلال قیامت رہیں گے دلوں کو ملال

دیکھنے سے اس عہد کی عزاداری اور محرم میں لوگوں کا شغف بہت کچھ نگاہوں میں آجاتا ہے۔

ان کے بعض مرثیے ایسے ہیں جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ وہ ماتم کے ساتھ پڑھنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ ان کی بحروں سے پرانے طرز کی سینہ زنی کے آہنگ اور اتار چڑھاؤ کا صاف اندازہ ہوتا ہے اور محمد شاہی وضع کے ماتمیوں کی صف تصور میں آجاتی ہے، جو جوشِ عقیدت میں سینہ کوبی میں مصروف ہیں۔

امت تھی نبی کی کہ یہ کفّار حسینؑ

دکھ سے تیرے کلام یا امام یا حسینؑ

چاروں طرف ہے شور و فغاں و امصیبتا !

کیا نحس تھا دن روز سفر ہائے حینا

چہلم ہے لے محباں اس شاہ دو سرا کا

حضرت قاسم کی شادی اردو مرثیہ گویوں کا خاص موضوع رہی ہے۔ مرزا اور سیدان کے بعد سودا و میر نے بھی اس میں بہت سے پہلو نکالے ہیں، میر نے اپنے مرثیوں میں جابجا اس شادی یا کتخدا عروس و نوشاہ کی طرف اشارے کیے ہیں۔ اور ایک مرثیہ: "قاسم کی شادی اس دن رچائی" تو اسی مضمون سے شروع کیا ہے، اور اس میں ہندستانی شادی کے رسوم، برات، سہرا، لگن دھرانا۔ آرسی مصحف، آتش بازی، مجرا، نیگ وغیرہ کے ذکر سے درد پیدا کیا ہے۔

میر کی زبان اب سے ڈیڑھ پونے دو سو برس پہلے کی زبان ہے۔ آج اردو ارتقا کے بہت سے مدارج طے کر کے نکھر گئی ہے۔ اظہار کے طریقے بدل گئے ہیں، لیکن اس وقت ایسے بہت سے لفظ اور محاورے مستعمل تھے جو اب بدل گئے ہیں یا متروک ہو گئے ہیں۔ اور ایک عام پڑھنے والے کو اس وقت کی عبارتیں نامانوس معلوم ہوتی ہیں۔ ان لسانی تغیرات کے متعلق ہم یہاں پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ام۔ اے کے دیباچہ جواہر سخن (جلد دوم) کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو میر کے کلام پر بھی صادق آتا ہے۔

"اب جن حالتوں میں افعال متعدی کے لیے علامت فاعل 'نے' کا لانا ضروری ہے اس عہد میں ضمیر متکلم کے ساتھ ضروری نہ تھا مثلاً میں کہا، میں گیا، میں سنا وغیرہ بے تکلف لاتے تھے۔ فعل حال کے صیغے بنانے کے لیے اب ماضی تمنائی کے صیغوں پر 'ہے' کا اضافہ کرتے ہیں۔ اُس عہد میں اس غرض کے لیے مضارع کے صیغوں پر 'ہے' وغیرہ بڑھاتے تھے اور آتا ہے، کہتے ہیں، پوچھتے ہو، مارتا ہوں کی جگہ آئے ہے، کہیں ہیں، پوچھو ہو، ماروں ہوں بولتے تھے۔ اسی طرح کہتا تھا، سنتا تھا کی جگہ کہے تھا، سنے تھا، کہتے تھے۔ جمع کی حالت میں مؤنث فعلوں کے ماضی کے صیغوں میں آخری نون سے پہلے ایک الف بڑھاتے تھے اور حال کے صیغوں میں فعل اصلی کی آخری 'ی' کے بعد الف نون بڑھاتے تھے۔ اور آئیں، چلیں، دیکھیں کی جگہ آئیاں، چلیاں، دیکھیاں، اور آتی ہیں، لبتی ہیں، ترستی ہیں کی جگہ آتیاں ہیں، لبتیاں ہیں، ترستیاں ہیں، بولتے تھے۔ جب مؤنث اسم جمع کی حالت میں موصوف ہوتا تھا تو اس کی صفت بھی کبھی کبھی جمع لاتے تھے اور صفت کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر میں الف نون بڑھاتے تھے مثلاً کڑیاں ساعتیں، بھاریاں بیڑیاں، 'کو'، کے محل پر 'کے' تئیں، تو اب تک لوگوں کی زبان پر ہو۔ لیکن تک، کی جگہ 'لگ' بھی لاتے تھے مثلاً کب لگ۔ جن حروف معنوی کے آخر میں اب 'و' یا 'ی' ہے ان کے آخر میں اکثر نون غنہ بھی لاتے تھے مثلاً کو۔ سو۔ نے۔ تے کی جگہ کوں، سوں، نیں، تیں بولتے تھے۔

ضمیرِ حاضر 'تو' کی جگہ توں اور کبھی کبھی تیں بھی استعمال کرتے تھے۔ بعض لفظوں کے دو تلفظ رائج تھے مثلاً اِدھر، اُدھر، جدھر، کدھر، لہو، جگہ، لگا، بجنا، چھٹنا، مٹی، پھر، کو ایدھر، اودھر، جیدھر، کیدھر، لوہو، جاگہ، لاگا، باجنا، پھاٹنا، ماٹی، پھیر، بھی کہتے تھے۔ بعض لفظوں کے تلفظ میں صرف ذرا سا اعراب کا فرق تھا مثلاً ہلنا، گھسنا، اس زمانے میں ہلنا، گھسنا تھے۔ بعض لفظوں کے استعمال میں اور اور طرح کا تھوڑا تھوڑا سا فرق تھا، مثلاً اُن کو، جن کے، کی جگہ انھوں کو، جنھوں کے، اور میرے، تیرے کی جگہ مجھ، تجھ بھی بولتے تھے۔ 'جس' کا صلہ 'تس'، اور 'جدھر' کا 'تدھر' رائج تھا۔ اب ان کی جگہ اُس اور اُدھر لاتے ہیں۔ کسو، کبھو، جیو، جیوں، سیتی، تو اب کسی، کبھی، جی، جوں، سے ہو گئے ہیں۔ اُس نے، جس نے کی جگہ اس زمانے میں اُن نے، جن نے، بولتے تھے۔ لفظوں کی تذکیر و تانیث میں بھی کہیں کہیں اختلاف تھا مثلاً مزار کو مؤنث اور خلش کو مذکر بولتے تھے۔

اب تک جن لفظوں کا ذکر کیا گیا وہ تھوڑے تغیر کے ساتھ اب بھی بولے جاتے ہیں ان کے علاوہ اس دور میں ایسے لفظ اور محاورے کثیر تعداد میں رائج تھے جو بعد کو بالکل متروک ہو گئے۔ اور ان کی جگہ نئے لفظوں نے لے لی مثال کے طور پر اس طرح کے چند لفظ یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ندان (آخر)، لبتار (پھیلاؤ) ٹک (ذرا)، نت (ہمیشہ)، تنک (ذرا سا)، بچن (قول)، زور (خوب)، کنے (کے پاس)، کے بیچ (میں)، موندنا (بند کرنا)۔"

میر کے کلام میں یوں تو بہت سے ایسے ہندی کے لفظ موجود ہیں جو اس زمانے کی تحریروں میں عام طور پر استعمال نہیں ہوتے لیکن ان کے مرثیوں میں ان کی تعداد اور زیادہ ہے۔ اُدر، اچرج، بسرنا، بسارنا، دوس، باسا، پات، ٹھور وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔

میر کے مرثیوں کا مطالعہ کرتے وقت انیس یا ان کے معاصرین کا کلام سامنے رکھ کر ان سے موازنہ کرنا ویسی ہی غلطی ہوگی جیسے کسی بارہ سال کے بچے کی ایک پچیس سال کے جوان سے زور آزمائی کرانا۔ ان کے مرتبے کا اندازہ ان کے معاصرین اور پیش روؤں کے مرثیوں کے پس منظر ہی میں ہو سکتا ہے اور جب ان کے ماحول، حالات اور معاصرانہ تخلیقات کے ساتھ ہم ان کے مرثیے دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے عہد کے کامیاب مرثیہ گو نظر آتے ہیں۔ میر کے یہ مرثیے ان کی غزلوں کے مقابلہ میں کم درجہ سہی لیکن اردو مرثیہ کی تاریخ میں ان کا درجہ واضح، اہم اور ممتاز ہے اور اس صنف سخن کے ارتقاء میں اُن کے خدمات فراموش نہیں کیے جا سکتے۔

مسیح الزماں

الہ آباد یونیورسٹی
۱۰ جولائی ۱۹۵۱ء



عالیجناب سید مسیح الزماں صاحب لکچرار
الہ آباد یونیورسٹی

۴۸۶

مراثی میرؔ

پہلا مرثیہ

(۱)

تمامی[۵۱] حجت کی خاطر، امام — لگا کہنے رو کر سوئے اہلِ شام
کہ اے قوم! یہ طفلِ اصغر بنام — مرے ہے مری گود میں تشنہ کام

(۲)

نہ کوئی مرا یار و یاور رہا — نہ قاسمؑ رہا ہے نہ اکبر رہا
جسے دیکھتا ہوں سو وہ مر رہا — مرے اقربا تم نے مارے تمام

(۳)

یہ کرتا ہوں میں تم سے پیمان اب — کہ ناموس اپنے اٹھاؤں گا سب
کسو اور[۵۲] جاؤں گا چھوڑا عرب — حبش، ہند اپنا کروں گا مقام

۵۱ آخری دلائل ۵۲ طرف

(۴)

نہ دعویٰ کروں گا قیامت کو بھی — کیا پیشکش میں امامت کو بھی
گوارا کیا سب ملامت کو بھی — نہ یاں کی مصیبت کا واں لوں گا نام

(۵)

کسی[۵۱] و گو کو اپنے لیے جاؤں گا — نبیؐ کا نواسا نہ کہلاؤں گا
جو قسمت میں ہوگا سو واں کھاؤں گا — بدل ڈالوں گا اپنا، حیدر کا

(۶)

مسافر غریب نام رکھوں گا میں — کسو سے نہ کچھ کام رکھوں گا میں
قدم آگے ہر گام رکھوں گا میں — کہیں کر رہوں گا سحر اپنی شام

(۷)

اِدھر سے اُدھر ہی کروں گا سفر — نہ جانے گا کوئی چلا ہے کدھر
کروں گا وطن کی نہ جانب نظر — کیا میں مدینہ کو یاں سے سلام

(۸)

رفیق اور یاور ہوئے سب تلف — ہوا تیغ کا میرا کنبہ علف[۵۲]
نہ سجادؑ بن کوئی اب ہے خلف — سو اس خستہ کو تپ رہے ہے مدام

(۹)

امام اپنا گو مجھ کو مت جانو تم — علیؑ کے نہ رتبہ کو پہچانو تم
خدا کو تو اے قوم ٹک[۵۳] مانو تم — کہ بندے کے ہاتھ آوے پانی کا جام

---

۵۱ ہالی موالی ۱۲   ۵۲ مویشیوں کا چارا ۱۲   ۵۳ ذرا۔

(۱۰)

گئے خویش و فرزند سب دردناک ہوئے میرے بھائی جگر سینہ چاک
رہا میں سو ہوں مستعدِ ہلاک گیا خاک میں مل مرا احتشام

(۱۱)

گرے کٹ کے یک لختِ لختِ جگر گئے مارے یعنی عزیز و پسر
لڑائی تلک جمع تھے وے گہر لڑی ٹوٹی اب وہ گیا انتظام

(۱۲)

ستم جو کیا تم نے ہم نے سہا مرے اقربا میں نہ کوئی رہا
کمینوں نے کیا کیا نہ موہنہ پر کہا رہا کچھ نہ جب پھر کیا احترام

(۱۳)

خرابے سے بدتر ہوا میرا باغ گئے پھول گل، مجھ کو دکھلا کے داغ
کیا خوش ہوا طائروں نے فراغ نپٹ[۱] شورِ زاغاں[۲] سے ہے دھوم دھام

(۱۴)

مروت کرو ٹک دم آب دو کہ تسکینِ دل ہوئے اس طفل[۳] کو
مرا کینہ اس بے خبر سے نہ لو نہ اس سے رکھو کچھ غمِ انتقام

(۱۵)

سُنی سب نے یہ خونچکاں گفتگو سروں کو کیا شرم سے ٹک فرو
مگر اک سیہ کار ہو روبرو لگا کہنے کیا ہے یہ طولِ کلام

۱ے نہایت ۱۲ ۲ے لشکرِ دشمن کے لیے استعارہ ہے ۱۲ ۳ے مراد جناب علی اصغر۔

(۱۶)

کہاں بات کرنے کی فرصت ہے یاں دمِ آب موقوف بیعت[۵۱] ہے یاں
ہے مہلت جو کچھ ہے غنیمت ہے یاں ہمیں قتل و غارت کا ہے اہتمام

(۱۷)

نہ باتیں کرا تنی لڑائی ہے اب یزید اور عمر[۵۲] کی دُہائی ہے اب
ہم سب نے سوگند کھائی ہے اب کہ دیں آب تو ہم پہ کھانا حرام

(۱۸)

اگر آب ہو جائے سارا جہاں نہ معلوم ہو کچھ زمیں کا نشاں
تجھے بوند پانی نہ دیں اے جواں مگر تو اطاعت کرے لا کلام

(۱۹)

یہ سُن رکھ کہ ہم لوگ ہیں لشکری نہ جانیں ہیں دیں کو نہ پیغمبری
ہمیں کوئی کچھ دے کرے سروری اشارت کرے تو کریں قتلِ عام

(۲۰)

بس اب گفتگو، وقتِ فرصت نہیں لڑائی ہے یاں کوئی صحبت نہیں
بہت اب، پر تیری قسمت نہیں یہی موتہہ پہ کہنا، یہی ہے پیام

(۲۱)

روایت ہے واں اک فرنگی بھی تھا ہوا گوش زد اس کے یہ ماجرا
سبھوں سے مخاطب ہو اُن نے کہا یہ ہے کون اے مردمِ زشت فام!

---

۵۱ یزید کی بیعت یعنی اس کی اطاعت کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۵۲ عمر ابن سعد جو کربلا میں یزیدی لشکر کا سپہ سالار تھا ۱۲

(۲۲)

کہا ایک نے برگزیدہ ہے یہ
محمدؐ کا نورِ دو دیدہ ہے یہ
ہوا کیا جو آفت رسیدہ ہے یہ
علیؑ کا ہی فرزند خود ہے امام

(۲۳)

وہ بولا کہ اے قوم! جاہل ہو تم
شریرو! یہ کارہ و باطل ہو تم
سب اُس شخص کے خوں کے مائل ہو تم
کہو جس کو فرزند خیرِ انام[۵۱]

(۲۴)

نبی زادہ ہے تشنگی سے نڈھال
تمھیں اس کے جی مارنے کا خیال
عتاب اس پہ کرتا ہے ہر بدخصال
خطاب اس سے کرتا ہے اب ہر کدام[۵۲]

(۲۵)

رہے دین و آئین و خُلق و ادب
عجب! اے محمدؐ پرستاں، عجب!
سب اس کے پئے خون ہو بے سبب
سبب جس کے، دیں کا تمھارے قیام

(۲۶)

اہانت ہو عیسیٰ کے خر کی جہاں
کریں لوہو نصرانی اپنا رواں
رہے تیغ خونخوار ہی درمیاں
نہ ہو واں کا جب دم تلک انہدام

(۲۷)

کیا ہے عمل تم نے وہ اختیار
نہ جس کو کریں کافرانِ تتار
رہے گا ستم یہ بہت یادگار
ہوئے ہو سزاوارِ طعنِ دوام

۵۱؎ افضل ترین انسان، مرادِ رسولِ اسلام ۵۲؎ ہر کس و ناکس ۱۲

(۲۸)

عبث دیں کو برباد تم نے دیا　محمدؐ کے مونھ سے نہ کی کچھ حیا
کسو سے بھی دنیا کرے ہے وفا　طمع تم سیہ باطنوں کی ہے خام

(۲۹)

ہوا واقعہ پھر سو جانیں ہیں سب　ستم گزرا ایسا کہاں اور کب
قیامت، غضب، قہر، رنج و تعب　ہوا یکسانہ تمام اس کا کام

(۳۰)

اٹھایا[۵] جبیں پر جو زخم سناں　ہوا خاک پر خون ازبس رواں
جھکا پشت زیں سے امام زماں　گئی چھوٹ مرکب کی کف سے لگام

(۳۱)

غش آیا لہو جو بہت سا گیا　جھکا یعنی سجدہ کا مائل ہوا
سر و تن ہوئے اتفاقاً جدا　نہ چالیس دن تک ہوا التیام[۶]

(۳۲)

مُندی آنکھ شہ کی ہوا طور اور　ستمگار کرنے لگے جور اور
گیا وہ زمانہ ہوا دور اور　گیا سوئے سجّاد[۷] وہ اژدہام

---

۵ اس مرثیہ کی ابتدا جناب علی اصغرؑ کے حال سے ہوئی تھی، چنانچہ ان کی شہادت کے بعد امام علیہ السلام کی شہادت کا تذکرہ ہونا چاہیے تھا۔ واقعہ نگاری میں یہ بے ربطی یا تو کسی بھول کی وجہ سے ہو گئی ہے یا درمیان کے بند امتداد زمانہ کی وجہ سے تلف ہو گئے ہیں ۲ مراد امام زین العابدینؑ مشہور ہے کہ شہادت کے چالیس دن بعد امام حسینؑ کا سر کربلا لایا گیا اور لاش کے ساتھ دفن کیا گیا۔

(۳۳)

لگا آگ خیمے جلانے لگے — پدر مردہ[۵۱] کو کھینچ لانے لگے
ستائے ہوؤں کو ستانے لگے — کھلے سر گئے مردمان[۵۲] خیام

(۳۴)

جگر میں بھری آگ آنکھوں میں آب — مرض سے بدن کے تعب کی نہ تاب
قدم کانپتے راہ چلنا شتاب — بندھے ہاتھ میں اشتروں کی زمام[۵۳]

(۳۵)

نظر سوئے اہل حرم دم بدم
بہت باپ کے مرنے کا دل میں غم
مصیبت بہت جان میں تاب کم
دکھ اس کا کہیں "میر" کیا ہم غلام

---

۵۱ حضرت عابد (سید سجاد) ۵۲ اہل بیت امام سے مراد ہے ۵۳ لگام ۱۲

۷۸۶

دوسرا مرثیہ

(۱)

محرم کا نکلا ہے پھر[1] کر ہلال قیامت[2] رہیں گے دلوں پر ملال
کیا تھا جو ماتم بہت پر کے سال سو آئے نہیں اب تلک جی بحال

(۲)

بہت چھاتی کوٹی تھی لے لے کے سنگ امو رو کے لائے تھے چہروں پہ رنگ
جو ویسا ہی اب کی بھی ہے غم کا ڈھنگ تو ہو جائے گی زندگانی وبال

(۳)

الف[3] داغ کھینچے کہیں جائیں گے کہیں نعل[4] سینوں پہ جڑوائیں گے
بہت لوہو روتے ہوئے آئیں گے بہت سینہ کوبی سے ہوں گے نڈھال

---

[1] ایک سال کا دورہ پورا کرکے ۱۲ [2] بہت زیادہ ۱۲ [3] پہلے یہ رواج تھا کہ غم والم کے موقع پر لوگ بدن کے مختلف حصوں پر چھلے یا دوسری چیزوں کو گرم کرکے داغ لیا کرتے تھے اظہار غم کا یہ ایک طریقہ تھا، میر نے ایک غزل میں بھی اسی رواج کی طرف اشارہ کیا ہے۔ داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب ؎ ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا

(۴)

لہو سے بہت چہرے ہوں گے فگار پھریں گے بہت روتے نالاں و زار
بہت اپنا شیون کریں گے شعار اٹھیں گے سروں پہ بہت خاک ڈال

(۵)

عزیزوں کے احوال ہوں گے بتر برہنہ سر آویں گے اکثر نظر
سیہ ہوں گے ہر کو و برزن[51] میں گھر پریشاں کریں گے زناں[52] سر کے بال

(۶)

جواں اپنے جامے کریں گے سیاہ پھریں گے گریباں پھٹے دل تباہ
گذارے کی رستوں میں ہوگی نہ راہ رکھیں گے جو روضے[53] گھروں سے نکال

(۷)

بجاویں گے جھانجھیں[54] اڑاویں گے خاک کریں گے بہت نالۂ دردناک
لہو ہوں گے دیدے جگر ہوں گے چاک رہیں گے انھوں کے تپنچے چہرے لال

(۸)

زناں مو پریشاں دِوانوں کے رنگ لیے سینہ کوبی کو ہاتھوں میں سنگ
کشادہ رُخ و زندگانی سے تنگ عجب خستہ حالی عجائب مقال

---

۵۱ گلی کوچہ ۱۲ ۵۲ اکثر اہلِ زبان کے نزدیک ہر لفظ فارسی یا عربی کے قاعدے سے جمع ہو کر مذکر ہو جاتا ہے ۱۲
۵۳ لفظی معنی مزار، لیکن یہاں امام حسینؓ کے مزار کی اس کاغذی شبیہ کے لیے استعمال ہوا ہے جسے محرم میں رکھا جاتا ہے۔ لکھنؤ میں اب اسے تعزیہ کہتے ہیں ۱۲ ۵۴ دھات کی دو طشتریاں بیچ سے ابھری ہوئی جنھیں چھید کر ڈورا ڈال لیتے ہیں اور بجاتے ہیں ۱۲۔

(۹)

زباں پر حسینؑ ، زیرِ لب وا حسینؑ — کہے ایک یہ ہو گیا کیا حسینؑ
اُٹھے گی کوئی کہہ کے جو یا حسینؑ — تو سامع سروں کے تئیں لیں گے ڈال

(۱۰)

عجب حال ہوگا جو لڑکے تمام — پکاریں گے ہے دوست ہے دوست شام[۵۱]
کہے گا کوئی غم سے گر 'یا امام'! — تو ہوگا پُکا مسجدوں میں کمال

(۱۱)

دُہل کی صدا چکچکی[۵۳] کا وہ شور — قیامت سی رکھیں گے ہر چار اُور
جواں چھاتیاں اپنی کوٹیں گے زور[۵۴] — منھ اپنے کو پیٹیں گے پیرانہ سال

(۱۲)

ہم لے کے آئیں گے ماتم کے تئیں — سیہ خانہ کردیں گے عالم کے تئیں
بیاں کر کے روئیں گے اُس غم کے تئیں — جو دل کو کلیجے کو لے ہے نکال

(۱۳)

کریں گے سیہ خانہ اہلِ عزا — بنادیں گے شہروں میں دشتِ بلا
جہاں[۵۵] ایک ہوئے گا ماتم سرا — گریں گے جو آنسو تو خوں کی مثال

۵۱ شدت الم سے سر نیہوڑا لیں گے ۱۲ ۵۲ شام کے وقت ۵۳ دو چپٹی لکڑیوں کی جوڑی جو اکثر جوگی بجاتے ہیں اور قصبۂ نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں محرم کی گشتوں میں آج بھی بجائی جاتی ہے ۱۲
۵۴ شدت سے ۱۲ ۵۵ ساری دنیا عزا خانہ بن جائے گی ۱۲۔

(۱۴)

گہ[1] ماتم آوے گی نعش اک بنی سو ہووے گی تیروں کے مارے چھنی
لگے گی غضب ہونے سینہ زنی جیوں ہیں نہ مرنے کا ہوگا خیال

(۱۵)

پڑھیں گے کوئی مرثیہ میر کا دلوں میں کرے کام جو تیر کا
پھٹے گا جگر کودک و پیر کا نپٹ خونچکاں ہوگی وہ قیل و قال

(۱۶)

ستم شامیوں کے کریں گے بیاں کہ ان میں پھنسا تھا امام زماں
ہوا ہائے کیا ظلم اس پر عیاں گیا تشنہ لب جی سے وہ خوشخصال

(۱۷)

جواں اک پسر اس کا مارا گیا رفیقوں کا سب زور و یارا گیا
گئی جان گھر بار سارا گیا سزا[2] اس جفا کے محمدؐ کی آل!

(۱۸)

سیہ[3] خاک سے آپ یکساں ہوا پس از قتل گھر بار ویراں ہوا
وہ جمع معزز پریشاں ہوا رہا عابدؑیں سو گرفتار حال

---

[1] لکڑی یا کپڑوں پر چادر اڑھا کر رنگ کے دھبے لگا دیتے ہیں اور اسے اس انداز سے لاتے ہیں کہ وہ کسی شہید کی لاش معلوم ہو۔ اسے شبیہ اٹھنا یا نکلنا کہتے ہیں۔۱۲
[2] لائق ۱۲ [3] خاک میں مل گیا۔ ۱۲

(۱۹)

لگی آگ خیمے جلے سر بسر
ہوئے لوگ ناموس کے در بدر
نہ وارث، نہ صاحب، نہ جاگہ، نہ گھر
ملا خاک میں جاہ و مال و منال[۵۱]

(۲۰)

اسیر بلا، مردمانِ حرم
پدر مردہ، سجاد ننگے قدم
نہ پہونچی مرض میں دوا بھی بہم
نہ اپنا کوئی جو کرے اشتغال[۵۲]

(۲۱)

چلا تپ میں آیا کھنچا ناتواں
ہوا ساتھ اہلِ حرم کے رواں
پھر اس پہ تقید[۵۳] چلا چل دواں
قدم گرچہ رکھتا تھا اپنا سنبھال

(۲۲)

ولے ضعف سے تن سنبھلتا نہ تھا
تمنا تھی پر جی نکلتا نہ تھا
کھڑا کیونکہ[۵۴] ہو بس تو چلتا نہ تھا
زمانے کی ٹیڑھی نہایت ہے چال

(۲۳)

بندھے ہاتھ جن میں شتر کی زمام[۵۵]
نظر موئے اہلِ حرم گام گام
گرانا توانی سے جو وہ امام
پریشاں ہوا اس جماعت کا حال

(۲۴)

اُٹھا بیبیوں میں سے یکبار شور
کہ ٹک دیکھ عابد بیماری بھی اُدھر
نہ وارث ہے تجھ بن، نہ کچھ ہم میں زور
ستم ہے قضا گر تجھے دیوے ٹال[۵۶]

۵۱؎ جائداد ۵۲؎ اشتغال سے یہاں مطلب بیمارداری سے ہے ۱۲ ۵۳؎ تاکید ۱۲ ۵۴؎ کیونکر ۱۲ ۵۵؎ مہار، لگام ۵۶؎ ہٹا دے ۱۲

(۲۵)

ہوا کشتگاں پر جو ہو کر گذار
قیامت ہوئی قیدیوں پر دوچار
لگی کہنے ہر ایک رو رو کے زار
کہ اے شہ ہوا کیا وہ جاہ و جلال

(۲۶)

ترے ساتھ کل تک تو اسباب تھا
ترا در ادب کرنے کا باب تھا
نہ یہ خاک یوں بسترِ خواب تھا
نہ ہوتی تھی حرف و سخن کی مجال

(۲۷)

سو ہنگامہ ہے تیرے پیکر پر آج
بلا شور ہے چھوٹے سر پر آج
قیامت ہوئی ہے اُدھر گھر پر آج
کھینچے آئے ہیں ہم کھلے سر کے بال

(۲۸)

تری پاسبانی تھی فخر ملک
تو خورشید تھا تیری جا تھی فلک
تو پہونچا ہے کیوں خاکِ تیرہ تلک
ترے سر پہ آیا ہے کیوں یہ زوال

(۲۹)

عزیز آہ تیرے جو تھے کٹ گئے
مچی غارت ایسی کہ ہم لٹ گئے
ردائیں کھنچ رک گئی گھٹ گئے
یہ اب حال ہے دیکھیں کیا ہو مآل

(۳۰)

ترے باغ میں کیا خزاں آگئی
یہاں تک تھی سرسبزی سو کھا گئی
گل و برگ جنگل میں پھیلا گئی
شجر کٹ گئے چھٹ گئے سب نہال

(۳۱)

برادر پسر رنج سے لٹ گئے رفیق اور بازو ترے کٹ گئے
جگر دردِ غم کھینچتے پھٹ گئے بیاں کریئے کس کس کا حسن و جمال

(۳۲)

نظر کر ہمارے بھی آشفتہ ہو تنک دیکھ عابدؑ کا طوقِ گلو
کسے ایسے جینے کی تھی آرزو ترے ہجر میں کاش ہوتے وصال[1]

(۳۳)

ہمیں شام کا اب سفر پیش ہے تری بیکسی سے جگر ریش ہے
نہ بیٹا ہے جیتا نہ اب خویش[2] ہے اُٹھانا ترا خاک سے ہے محال

(۳۴)

نہ احوال کا کوئی عالم ہے یاں نہ داور، نہ یاور، نہ حاکم ہے یاں
نہ تو ہے، نہ اکبر، نہ قاسم ہے یاں کریں دادِ دل کا سو کس سے سوال

(۳۵)

جگر چاک، دل خستہ، روتے اسیر
یہ کہہ کر گئے سب بہ حالِ تغیر[3]
نہ لکھ بےکسی ان کی اب آگے میرؔ
ہنوز ان پہ روتے ہیں دشت و جبال

---

[1] وصال یعنی ہو جانا مرجانا ۱۲ [2] داماد ۱۲ [3] پریشان ۱۲

۷۸۶

تیسرا مرثیہ

(۱)

تحیات[1]۔ اے عزیزاں! بابتِ آلِ پیمبر ہے　　درود۔ اے دوستاں! شائستۂ[2] اولادِ حیدرؑ ہے
نیاز۔ اے حق پرستاں! لائقِ شبیرؑ و شبرؑ ہے　　سلام۔ اے مومناں! ایسے جو ہوں ہر لحظہ اُنپر ہے

(۲)

محمدؐ جسکا نانا اسکو بیکس کرکے سب ماریں　　پدر ساقیِ کوثر جسکا اسکو تشنہ لب ماریں
سبب جو بخششِ عالم کا اس کو بے سبب ماریں　　حرم کا جو ہے عزت دار سو محتاجِ چادر ہے

(۳)

ورق الٹا فلک نے یوں کہ دم میں مٹ گیا سب گھر　　چنانچہ اب سخن ہر پردگی[3] کے ہے یہی لب پر
عبارت گھر[4] جنھوں سے تھا سو یارب کیا ہوئے بکھر　　نہ سرورؑ ہے نہ قاسمؑ ہے، نہ اکبرؑ ہے، نہ اصغرؑ ہے

(۴)

شہ ہر دوجہاں[5] زیر نگیں، معروف او رنامی　　امام عارف و عامی[6] نبیؐ کے دین کا حامی
سر اُس صبحِ سعادت کا سناں پر لے چلے شامی　　کہاں حیرت کہ جو دیکھے وہی یہ ناز پرور ہے

---

[1] سلام ۱۲ [2] لائق۔ سزاوار [3] پردہ کرنیوالا۔ یہاں کربلا کی پردہ کرنیوالی خواتین کیلئے آیا ہے ۱۲ [4] گھر کی تنظیم جنکی وجہ سے تھی گھر کے گھر ہونے کا جن پر انحصار تھا [5] ایسا بادشاہ جسکی حکومت دونوں جہانوں پر ہے ۱۲
[6] عام سے منسوب۔ مقبول عام اور ہمہ گیر کے معنوں میں یہاں استعمال ہوا ہے ۱۲

(۵)

ستم جو دیکھتا تھا ہر زماں ان جور کیشاں سے ۔۔۔ کہے تھا عابدِ بیکس غم و اندوہِ پنہاں سے
کہوں[۱] امید گاہا تجھ سے کیا حالِ پریشاں[۲] سے ۔۔۔ نگہ میں یاس ہر دم ہے لبوں پر شیون اکثر ہے

(۶)

بہت دل جوئی امت میں تھا صرف توانائی ۔۔۔ سو وہ امت ہمارے آج کے دن خوب کام آئی
کیا گھر بار غارت، مار ڈالے بیٹے اور بھائی ۔۔۔ خرابی آل کی دیکھے محمدؐ آج کیدھر ہے

(۷)

جگر ٹکڑے ہوا ہے کب تلک یہ سختیاں دیکھے ۔۔۔ نکلتی آنکھ سے یاقوت[۳] کی سی تختیاں دیکھے
تس اوپر شام کے لوگوں کی یہ بدبختیاں دیکھے ۔۔۔ بلالے پاس ہمکو جلد اپنے ہی تو بہتر ہے

(۸)

کوئی کہتی تھی اے شہ! یہ ستم کیا ہم پہ ہوتا ہے ۔۔۔ نہیں کوئی[۴] پونچھتا آنسو گروہ اک غم سے روتا ہے
تو کن نیندوں سحر سے قتل گہ میں آج سوتا ہے ۔۔۔ ہمارا شام[۵] کی جانب کو لے جانا مقرر ہے

(۹)

مخاطب کر کے زہرا کو کوئی یوں غم سناتی ہے ۔۔۔ کہ تو اے مادرِ مشفق سبھوں کے ناز اٹھاتی ہے
بگڑتا ٹک کسی کا حال تو وہیں بناتی ہے ۔۔۔ تو جہ آج کیدھر ہے نہایت حال ابتر ہے

---

۱ اے امیدوں کے مرکز ۱۲ ۲ حال پریشاں سے کہنا براہ راست فارسی کا ترجمہ ہے "از حال پریشانم بہ تو چہ گویم" ۳ سرخ رنگ کی۔ خون آلود ۱۲ ۴ کوئی کا واؤ دبا کر پڑھنا چاہیے دکنی کے وزن پر، کوئی کا اس زمانے میں تلفظ ہی بعض مواقع پر اسی طرح تھا۔ ۱۲ ۵ فلسطین سے ملا ہوا ملک جہاں کا شہر دمشق یزید کا دار السلطنت تھا۔ ۱۲

(١٠)

سروں کا تاج تھا جو شہ، ہوا ہے خاک سے یکساں[1]
ترا جو خانۂ دولت تھا سو یکسر ہوا ویراں
پھرے ہیں سر برہنہ عورتیں جنگل میں سرگرداں
جدھر چلتے ہیں مضطر ہو اُدھر دشمن کا لشکر ہے

(١١)

عجائب درہمی آئی ہے اس جمع پریشاں میں
قیامت کا سا ہنگامہ ہے برپا اک بیاباں میں
تری اس چین سے کیونکر لگی ہے آنکھ مہد میں
بلا ہے، فتنہ ہے، آشوب ہے، اک شورِ محشر ہے

(١٢)

علی کی اُور[2] روئے حرف[3] جو ہوتا تھا نسواں کا
جگر پانی ہوا جاتا تھا سن کر انس و جاں کا
کراتی تھیں ہوا کیا دست تیرے لطفِ احساں کا
سروں پہ پنجۂ خورشید ہے جو سایہ گستر ہے

(١٣)

غبارِ دل نہ ہو کیونکر بلند آفت رسیدوں کا
نظر آتا نہیں زیرِ زمیں ہونا شہیدوں کا
کھلے گا کس طرح دل وائے ہم محنت کشیدوں کا
زمیں سے آسماں تک دیکھتے ہیں تو مکدر ہے

(١٤)

جہاں تاریک ہے بیٹے بھتیجے مر گئے سارے
رفیق ایک ایک گن کر دشمنوں نے جان سے مارے
جفائیں سہتے سہتے باز ماندے[4] شاہ کے ہارے
چراغ[5] اک نیم کشتہ سا ہے باقی سو بھی مضطر ہے

---

[1] خاک میں مل جانا۔ میرؔ کی غزل کا شعر ہے۔ ع کو گل و لالہ کجا نرگس، سمن، ہم نسترن ٭ خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا
[2] طرف۔ سمت ۱۲ [3] روئے سخن ۱۲ [4] پس ماندگان۔ مرنے والے کے بعد جو لوگ زندہ بچیں ۱۲
[5] مراد حضرت عابدؔ ۱۲۔

(۱۵)

کبھی لیتا ہے چھاتی کوٹ منہ کر کر مدینے کو
کبھو دل تنگ ہو کر نوچ لے ہے زور[۱] سینے کو
رہے ہے کیونکر نہ وہ ہموار دل کے لوہو پینے کو
نہ جسکا کوئی ہمدم ہے نہ یاری گر[۲] نہ یاور ہے

(۱۶)

نہیں ان کلفتوں کی تاب لائی جاتی اب ہم سے
لپٹ سی ہونٹ کو لگنے لگی ہے گرمیِ دم سے
درونی جل گئی شاید ہماری آتشِ غم سے
ٹپکتا آنکھ سے آنسو جو ہے گویا کہ اخگر ہے

(۱۷)

کسے آتا ہے باور اب جو کہیے، شہ یہ ایسا تھا
ترا اقبال جیسا چاہیے کل تک تو ویسا تھا
سحر کو کچھ نہ تھا گویا، تجھے دن آج کیسا تھا
نہ قدر و منزلت وہ ہے نہ وہ سر ہے نہ افسر[۳] ہے

(۱۸)

نہ مانع جو ہوئے آنے کے تیرے یاں ہوا خواہاں[۴]
نہ روکا جو مزاحم[۵] ہو کسو نے کھینچ کر داماں
مگر آگہ[۶] نہ تھا کوئی کہ ہر ہر گام اوپر یاں
سناں ہے، تیر ہے، تلوار ہے، برچھی ہے، خنجر ہے

(۱۹)

قیامت[۷] سختیاں دیکھیں ہوا احوالِ دل برہم
توقع رحم کی کس سے رکھیں برگشتہ ہے عالم
نہیں آتا مصیبت پر ہماری کوئی مژگاں[۸] نم
مروت یاں نہیں ہے، رسم، دل ہر اک کا پتھر ہے

---

[۱] زور اس زمانے میں بہت اور زیادہ کے معنوں میں عام طور پر استعمال ہوتا تھا۔
زور عاشق مزاج ہے کوئی — درد کو قصہ مختصر دیکھا

[۲] مددگار ۱۲ [۳] تاج ۱۲ [۴] بہی خواہ بھلا چاہنے والا ۱۲ [۵] روکنے والا ۱۲ [۶] آگاہ ۱۲

[۷] بہت تکلیف دینے والی۔ بہت زیادہ [۸] ہمدردی کرنے والا ۱۲

(۲۰)

موے پر وارثوں کے رسم[1] تھی آگے ترحم کی
نہ استخفاف[2] و استہزا[3] و تعریض[4] و تبسم کی
دلوں میں لہر سی آتی ہے فریاد و تظلم کی
سو عادل ہی نہ یاں کوئی، نہ حاکم ہے نہ داور ہے

(۲۱)

گئے یوں دل کو خالی کر کے وے سب ظلم کے مارے
بلا کے مبتلا، دشت غم و غربت کے آوارے
چلے جاتے تھے رہ اور کہتے جاتے تھے یہی سارے
کہ کیا چارہ ہے بیچاروں کا گر یونہیں مقدر ہے

(۲۲)

جو کچھ اے میرؔ آگے چل کے پیش آیا انھیں مت کہہ
کہاں تک نوحہ و زاری کرے گا ہر گہہ و بیگہ[5]
یہیں سے رنگ تیرے دل کا پیدا ہے بس اب چپ رہ
کہ جو آنسو گرے ہے آنکھ سے یاقوت احمر ہے

---

[1] پہلے۔ زمانۂ ماضی میں۔۱۲ [2] خفیف کرنا۔ بے عزت سمجھنا۔۱۲ [3] ہنسی اڑانا۔۱۲
[4] چھیڑنا۔ کنایہ سے بات کہنا۔۱۲ [5] وقت بے وقت۔۱۲

۷۸۶

چوتھا مرثیہ

(۱)

خاک تیرے فرق پر اے بے مروت آسماں
ایک قطرہ آب کو ابنِ علی دیتا ہے جاں
بھائی بیٹے اسکے مارے جاتے ہیں کیا کیا جواں
کھول چشمِ ہر دمہ، پھر وقت ملتا ہے کہاں

(۲)

آنکھیں ہیں سارے نثارے پر نہیں تجھ کو نظر
ہاتھ دھلوا ایسے مہماں کے سعادت جان کر
ہو سکے تو صرف کر مقدور اس کا پانی بھر
آگیا ہے ساقی کوثر کا نورِ چشم یاں

(۳)

جان سے جب ہاتھ دھو بیٹھے گا یہ تب کیا حصول[۱]؟
فائدہ جو تشنہ لب دریا کنارے ہو ملول
اب بھی ہے وقتِ مروت شاد کر روحِ رسول
ورنہ اس خورشید کے ڈوبے سیہ ہوگا جہاں

(۴)

گھر سیاہ اپنے کریں گے اس عزا میں سب امیر
اسکے ماتم میں بہت سے لوگ ہوئیں گے فقیر
سینہ کوبی کرتے کوچوں میں پھریں گے خرد و پیر
عورتیں بیتاب نکلیں گی گھروں سے مو فشاں

---

[۱] حاصل کے بجائے اس زمانے میں عام طور پر استعمال ہوتا تھا۔ درد کا شعر ہے سے
گر بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

(۵)

گریہ و زاری پہ رکھیں گے خردمنداں اساس جامۂ آبی مقرر ہوگا ہر اک کا لباس
ناخنوں سے لوگوں کے چہرے نچیں گے بے قیاس پتھروں سے سر کو دے دے مارینگے خرد و کلاں

(۶)

جمع نسواں مو پریشاں، سینہ کوباں، دل کباب اپنے کاکل کیطرح غصہ سے سب بیچ و تاب
یکدل و غم بیحد و یک جان و رنجش بے حساب ایک لب سے شور و شیں، نوحے ہزاروں یک زباں

(۷)

نعل سینوں پر جڑیں گے اور سر پھوڑیں گے لوگ کھینچیں گے کتنے الف داغ اور کتنے لیں گے جوگ
ابر اس ماتم سرا میں رکھیں گے اس شہ کا سوگ حلقہ حلقہ لوگ ہوں گے، نوحہ ہوگا درمیاں

(۸)

سو اپنا دیکھ کر اقدام کر خدمت کے بیچ نیک نامی سے ہوا مشہور تو خلقت کے بیچ
ہو شریک رنج اُس کا یعنی اس محنت کے بیچ ورنہ کیا ہے نفع کھینچے گا جو یہ جی کا زیاں

(۹)

کر مروت رنج و غم سے اس مسافر کو نکال حاصل اس دم کیا ہے جب دم قطع ہو جاویں نہال
گل جھڑیں، بوٹے کٹیں، غنچے ہوں یکسر پائمال خاک سی اس باغ کی دیوے اُڑا بادِ خزاں

(۱۰)

یعنی اسکے اقربا، خویش و پسر مر جائیں گے تنگ ہو ناچار سر میدان میں کٹوائیں گے
ناتواں سجاد ہی کو سب کی جاگہ پائیں گے سو گلے میں اُسکے طوق آہنی ہونگے گراں

۵۰ نیلا ۱۲۔ ۵۲ کل عورتیں۔ عورتوں کا گروہ ۱۲۔ ۵۳ ۵۴ کے لیے صفحہ ۵۶ کا نوٹ ملاحظہ ہو ۱۲۔

(۱۱)

یار و انصار اسکے مارے جائیںگے یکبارگی
ہوگی اس جمعِ معزز میں عجب آوارگی
اُترے گا گھوڑے سے وہ زخمی بصد بیچارگی
ہوگا سر نیزے پہ جوں خورشیدِ حشر اس کا عیاں

(۱۲)

قافلہ لوٹا ہوا ناچار ہو گا گرمِ راہ[۱]
ڈبڈبائیں سب کی آنکھیں، زیرِ لب فریاد و آہ
دل شکستہ، دست بستہ، جان کی حالت تباہ
آگے آگے عابدینؑ[۲] بے یار و بے مہرباں

(۱۳)

موند کر آنکھیں جو یہ سید گیا جی سے گذر
تو فسانہ یہ رہا جب تک کہ ہے نوعِ بشر
عاقبت[۳] سے کچھ نہیں اس کام کی تجھ کو خبر
تا قیامت چشم پوشی تیری ہووے گی بیاں

(۱۴)

ماتمی سارے کہیں گے اے فلک یہ کیا کیا،
کنبہ اس کا مار کے سارا اسے تنہا کیا
پھر یہ ہنگامہ سرِ بیکس پہ کیا برپا کیا
جس سے وہ جی دے گیا، ہے غمکدہ یہ خاکداں

(۱۵)

الغرض شاکی رہیں گے تعزیہ[۴] دار امام
مرثیہ میں "میر" کے تیرے گلے ہوں گے تمام
کرتے شیون منھ تری جانب کریں گے خاص و عام
دیکھیں گے تیری طرف سر پیٹتے پیر و جواں

---

۱ گرمِ سفر کی طرح کی ترکیب ہے ۱۲ ۔ ۲ مراد زین العابدینؑ ۳ اس کام کے نتیجہ سے تو آگاہ نہیں کہ پھر ہمیشہ تجھ پر یہ الزام رکھا جائے گا ۱۲ ۔ ۴ تعزیہ رکھنے والے ۔ سوگ منانے والے۔

۷۸۶

پانچواں مرثیہ

یہ مرثیہ بشکریہ سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) اردو جنوری سنہ ۱۹۳۱ء سے
یہاں پیش کیا گیا۔

(۱)

فلک قتلِ سبطِ پیمبر ہے کل — یہ ہنگامہ ہونا مقرر ہے کل
سحر شام تیرہ سے بد تر ہے کل — بلا[51] کل[52] مکل ہے کہ محشر ہے کل

(۲)

کہاں ہوگا افسر[53] سرِ شہ کہاں! — یہ خیمہ کہاں اور خرگہ[54] کہاں!
جو کچھ ہے حشم[55] آج، سو یہ کہاں! — یہ حاکم، نہ یاور، نہ داور ہے کل

(۳)

نہ ہوگا کوئی جو کرے داوری[56] — رہے گی وہ لاش اس زمیں پر پڑی
نگہبان ہوگا خدائے قوی — مصیبت عجب ایک اس پر ہے کل

(۴)

نہ ہوگا کوئی یار و انصار، آہ! — نہ خویش و برادر، نہ رتبہ، نہ جاہ
مرے گا بہت ہوکے بیکس، وہ شاہ — نہ قاسمؑ، نہ اکبرؑ، نہ اصغرؑ ہے کل

---

[51] بڑی۔ زبردست [52] گڑبڑ۔ رستخیز [53] تاج ۱۲ [54] بڑا خیمہ جو سب کے بیچ میں نصب کیا جاتا ہے ۱۲
[55] شان و شوکت [56] انصاف ۱۲

(۵)

جو بازو[۱] وہیں جاویں گے سب کے جاں نظر جس کے اوپر کرے سو کماں
ستم ہوگا چاروں طرف سے عیاں نہ احمد معاون، نہ حیدر رہے کل

(۶)

نہ عباس ہوگا نہ ہوگا علم کہ ہاتھ اس کا بازو سے ہوگا قلم[۲]
رہیں گے جو پیچھے کسانِ[۳] حرم سو اُن کو نہ جاگہ[۴] نہ گھر در رہے کل

(۷)

سپر شہ نہ ہوگا یہ اسرار ہے کسانِ حرم اور بازار ہے
رہے گا جو سجّاد بیمار ہے سو اُس کو نہ دارو[۵] نہ بستر رہے کل

(۸)

معزز حرم کے رہیں گے جو لوگ پریشاں پھریں گے گرفتار سوگ[۶]
اسیری و غارت سے چالوں کو روگ نہ پردہ انھوں کو نہ چادر رہے کل

(۹)

جہاں جائے عبرت ہے کیا اعتبار ہمیشہ نہیں ایک کا اختیار
شکستِ شہ دیں سے ہے آشکار نہ وہ کوکبہ[۷] ہے نہ لشکر رہے کل

(۱۰)

دمِ آب ہووے گا نایاب واں نہ کنبہ، قبیلہ، نہ اسباب واں
نہ دولت سرا وہ نہ اسباب واں نہ ساماں نہ سر ہے، نہ سرور رہے کل

---

۱ مددگار ۱۲ ۲ کٹ جانا ۱۲ ۳ حرم کے لوگ ۱۲ ۴ جگہ کو دہلی والے جاگہ بولتے ہیں ۱۲ ۵ دوا ۱۲۔ ۶ ممکن ہو یہاں بجائے سوگ کے اور کوئی لفظ ہو جس اصل سے یہ مرثیہ نقل کیا گیا اسمیں یہ اسی طرح تحریر ہے ۱۲ ۷ شکوہ۔ حشمت ۱۲۔

(۱۱)

تنِ نازنیں ہوگا گھائل تمام — بلا ہوگا اس ایک پر اژدہام
جبیں سے بہے گا لہو لعل فام[۵۱] — گلوئے مبارک پہ خنجر ہے کل

(۱۲)

بچے گا جو بیٹا سو ہوگا اسیر — عزیزِ حرم سب بہ حالِ تغیر
بکا کرتے ہوں گے صغیر و کبیر — کہاں ایسی غارت سے وہ گھر ہے کل

(۱۳)

سکینہ کہے گی پدر کیا ہوا — کرے دل دہی جو گلے سے لگا
نہ کلثوم کے پاس ہوگی ردا — نہ زینب کے مانگ[۵۲] پہ معجر[۵۳] ہے کل

(۱۴)

قیامت ہے اودھر کو ہوگا گزار — جدھر اس طرح کا ہوا کارزار
نظر آوے گی لاشِ شہ ایکبار — نہ ہوگا وہ ساماں، نہ وہ سر ہے کل

(۱۵)

نہ ہووے گا سادات میں مرد ایک — مگر عابدینِ نزار اور زرد ایک
زمیں سے اُٹھے گی سیہ گرد ایک — سپہر بریں تک مکدر ہے کل

(۱۶)

سرِ شہ سناں پر رکھا جاوے گا — لٹا قافلہ بھی چلا جاوے گا
بس اب مت کہے کیا لکھا جاوے گا — زمانہ ہی آئے میر[۵۴] دیگر ہے کل

---

۵۱ ہمرنگ یاقوت ۱۲۔ ۵۲ مانگ ۱۲ ۵۳ چادر ۱۲ ۵۴ ردیف میں تقریباً ہر بند میں "ہوگا یا ہوگی" کی جگہ "ہے" استعمال کیا گیا ہے ۱۲۔

۷۸۶

چھٹا مرثیہ

(۱)

امت تھی نبیؐ کی کہ یہ کفار رہینا
تو سبط تھا اس کا کہ گنہگار رہینا
بے ہیچ لیا جی سے تجھے مار رہینا
یہ دیں ہے تو ہم پہنیں گے زنار رہینا

(۲)

یوں اہلِ حرم کہتے ہیں وارث نہیں سر پر
جو تیرے تلف ہو گئے آباد رہے گھر
رکھتے تھے توقع کہ جواں سال ہو اکبرؑ
سو کھا گئی اس کو بھی وہ تلوار رہینا

(۳)

اصغرؑ نہ ہوا تھا ابھی امید کی جا گہ
تھا طفل، نہ تھا نیک بد دہر سے آگہ
سو اسکو بھی اک تیر لگا آن کے ناگہ
سجادؑ جو باقی ہے سو بیمار رہینا

(۴)

قاسمؑ پہ کبھی اپنی نظر پڑتی تھی جا کر
کہتے تھے، اسے سونپے گا شہ ہم کو بلا کر
سو آگے ہی تجھ سے وہ گیا سر کو کٹا کر
کیا ر دیئے کوئی نہیں غمخوار رہینا

ا؎ بے سبب۔ بے قصور ۱۲۔

(۵)

ہر چند کہ یاں سے وہ بہت دور مکاں تھا — پر ترکِ وطن کرتے ہی ہنگامہ عیاں تھا
تو آن اترا تھا جہاں اور سماں تھا — بیڈھب تھی تب ہی چرخ کی رفتار حسینا

(۶)

گریاں در و دیوار تھے ہنگام سفر کے — ہم چشم تھے پانوں کے اثر دیدۂ تر کے
دامن میں ترے دست تہ ناں لوگ تھے گھر کے — کچھ خوب نہ تھے پہلے ہی آثار حسینا

(۷)

یاں تو تھا اگرچہ بہت مردم کم سے — پر بادیہ آباد ہوا تیرے قدم سے
اب تو ہے جہاں وہاں تئیں بے فاصلہ ہم سے — سر ہائے بریدہ کا ہے بازار حسینا

(۸)

کیا خویش و برادر ترے کیا یاور و انصار — آگے ہی ترے کر گئے سب رخت سفر بار
گھر لوٹ لیا سارا نہ آدم ہے نہ یک تار — ہو کون سیہ پوش و عزادار حسینا

(۹)

وارث جو کوئی ہو تو لگے اس کے جگر کو — جلنا نہ سکے دیکھ وہ اس طرح سے گھر کو
یوں خوش نہ کرے لوگوں کی عریانیٔ سر کو — سو غیر خدا کون ہے ستّار[۱] حسینا

(۱۰)

میداں کی سب خاک کو ہم چھان کے دیکھا — تب لاشہ ترا دیر میں پہچان کے دیکھا
سو جسم کو بے سر ترے اب آن کے دیکھا — جی ہی میں رہی خواہش دیدار حسینا

۱؎ خدا کا ایک نام۔ معنی چھپانے والا (عیب پوش)

(۱۱)

یوں خاک ملے خوں میں ترا سامنے سونا پھر طاقتِ رفتار کا پاؤں میں نہ ہونا
کیسے بھی جو بیٹے کے تئیں ایک ہو رونا ہیں اس کو تو آزار پر آزار جینا

(۱۲)

مرنا ہو میسر تو کریں ہم تگ و دو بھی ہوں اپنوں کی باتیں تو سنی جاتی ہیں سو بھی
پتھر بھی کیا دل کے تئیں ہم نے پہ تو بھی اٹھتی نہیں یہ سختیِ گفتار جینا

(۱۳)

کیا قہر ہے ہر پیر و جواں خستہ پڑا ہو بیٹا جو رہا ہو سو بندھے ہاتھ کھڑا ہو
تو قتل ہوئے پر بھی زمیں میں نہ گڑا ہو ہم ایسے ستم کے ہوں سزاوار جینا

(۱۴)

آنکھوں کے منہ سے تیرے ستم سخت ہوا ہے سر ننگے ہیں سب کون سا پردہ رہا ہے
ناموسِ نبیؐ قید ہو لوگوں میں کھڑا ہے دے کھینچ کوئی بیچ میں دیوار جینا

(۱۵)

لیتے ہیں ترا نام جو سب شور و بکا کر پوچھے ہے سکینہ تجھے ہر ایک سے آ کر
دلجوئی کرے کون اُسے پاس بلا کر ہم ایک مصیبت میں گرفتار جینا

(۱۶)

کیوں بیٹے بھتیجے سبھی یوں جاویں مارے کس طور تلف ہو دیں طرفدار نہ سارے
سر پر تو سلامت رہے کیونکر نہ ہمارے ہونا تو ہمیں دشت میں تھا خوار جینا

(۱۷)

کس واسطے سب رُوئے زمیں لال ہوا ہے کاہے کو ترے باغ کا یہ حال ہوا ہے
کیوں خون ترا خاک سا پامال ہوا ہے تنہا تو تو سبھوں کا گلِ دستار حسینا

(۱۸)

کیا حال کہے یاں کے کوئی جور و جفا کا خوں بسکہ گرا خاک کے اوپر شہدا کا
اٹھ سیر تو کر تو بھی تنک رنگ ہوا کا ہر خار و خسِ دشت ہے گلزار حسینا

(۱۹)

رنج ایک جو ہووے تو ہر اک اسکو اٹھالے جی کوئی سنبھالے کہ سکینہ کو سنبھالے
تو کاش کہ اب سب کے تئیں پاس بلالے اس جینے سے ہم آئے ہیں بیزار حسینا

(۲۰)

جوں ہم لٹے دشمن کو بھی حق یوں ہی لٹاوے پردے کے تئیں اُسکے بھی یکبار اٹھاوے
کاہے سے کوئی منھ کے تئیں آہ چھپاوے چھوٹا نہیں ہے گھر میں تو اک تار حسینا

(۲۱)

نقصان ہوا تیرے تئیں جان کا عائد کچھ سمجھے نہ اس قوم سیہ رو کے عقائد
پھر کاٹے لیے جاتے ہیں سر کو جو یہ شاہد ہے تجھ سے ابھی ان کو سروکار حسینا

(۲۲)

کیا کہیے ترے مر گئے عزت ہے نہ آدر سر پر نہ رہا معجر و چھوٹی نہیں چادر
نے یار نہ دادر نہ کوئی خویش و برادر کس سے کریں ہم دردِ دل اظہار حسینا

قدر و منزلت

(۲۳)

میداں میں عزیزوں کے لہو دیکھیے جاری کس طرح سے موقوف کریں نالہ و زاری
کرتے ہیں بہت ضبط پہ چوں ابر بہاری تھمتے نہیں یہ دیدۂ خونبار حسینا

(۲۴)

کہتے تھے ادھر کو نہ کسی طرح پڑے راہ سو آئے چلے سیدھے یہیں، خواہش اللہ
تقدیر کا سمجھا نہ گیا ہم سے فریب آہ! کچھ ہووے ہی گا اس میں بھی اسرار حسینا

(۲۵)

یہ آتش غم کس سے کہیں جا کے بجھاوے شعلے سے جو اٹھتے ہیں جگر میں سے بٹھاوے
یوں جلتے رہیں کب تئیں ہم سب کو جلاوے کاش آ کے کوئی ابر شرر بار حسینا

(۲۶)

انواع ستم ہم نے ترے پیچھے سہا ہے کچھ تو بھی تو کہہ کاہے کو منھ موند رہا ہے
بے رحم کسی شخص نے کیا تجھ کو کہا ہے مت بولیو ان لوگوں سے زنہار حسینا

(۲۷)

اس بگڑے ہوئے حال کا مشکل ہے سنورنا کب نقل کریں خوب ہے اس جینے سے مرنا
جن لوگوں سے تھا ننگ ہمیں بات کا کرنا اب ان کو سخن ہم سے ہوا عار حسینا

(۲۸)

سب حال کہیں تنگیٔ وقت آہ جو رہ دے تجھ پاس رہیں فرصت اگر روز سیہ دے
اب تو ہی کچھ اس بات میں سجاد سے کہہ دے ہم شام کے جانے کو ہیں تیار حسینا

(۲۹)

بے طاقتی و ضعف بدن گرچہ عیاں ہے　　ناچار و لے ساتھ ہمارے وہ رواں ہے
انصاف سے ٹک دیکھیے سو وہ چشم کہاں ہے　　عابدؑ کی کفِ پا و سر خار حسینؑا!

(۳۰)

ہوتا نہیں اب موبہ مو یہ یہاں خاک ملے کچھ　　تسکیں ہو دلوں کو جو زباں تیری ہلے کچھ
سر کیش قدم گاہ سے اپنا جو چلے کچھ　　جاتے ہیں تجھے چھوڑ کے ناچار حسینؑا

(۳۱)

ماتم بھی ترا کر سکیے جو فرصت دے زمانا　　عزت سے ترا خاک سے بن آوے اٹھانا
سو ہم نے تو دل کھول کے رونا بھی نہ جانا　　وقفہ نہیں دیتے یہ ستمگار حسینؑا!

(۳۲)

یہ حرف تھے جو شور ہوا چلنے کا ناگاہ
پھر "میر" وہ قیدی بھی گئے واں سے بھر آہ
ہر غم زدہ کے لب پہ چلے جاتے ہوئے راہ
آتا تھا ہر اک گام کئی بار حسینؑا

۵؎ اپنا زور چلے۔ اپنا اختیار ہو۔

۷۸۶

ساتواں مرثیہ

(۱)

گردوں نے کس بلا کو یہ کر دیا اشارا ابنِ علی کو جن نے اس گھاٹ لا اتارا
دریا کے خاک[1] سر پر جو کر رہا کنارا دُنیا سے خشک لب یہ سید گیا ہمارا

(۲)

کر بند سب کا پانی، پھر آگ آ لگائی چھاتی مسافروں کی سو رنگ سے جلائی
گھٹنے کی بات یہاں کی کس مرتبہ بڑھائی کیا کیا ہوئی چڑھائی کیا کیا دیا اُتارا

(۳)

سید کے آنکھ مندتے کچھ اور تھا زمانا عابدؑ رہا سو اُس کو موجود ہی نہ جانا
ناموسِ احمدی کی عزت نہ کی نہ مانا گھر بار لوٹ سارا۔ اُن کو کیا اُسارا[2]

(۴)

وارث بھی رہا تھا بیچارہ دل شکستہ سو درمیاں کھڑا تھا ناچار دست بستہ
بے وارثی کرے وہ دل چاک سینہ خستہ یاری کرے نہ یاور، جس کا نہ یار دیارا

---

[1] سر پر خاک۔ کلمہ نفرین ہے [2] اسیر کی جمع ۱۲۔

(۵)

تھے لوگ سب حرم کے جوں بید سر برہنہ
ان میں سکینہ جیسے خورشید سر برہنہ
تھی شہربانو یکسر نومید سر برہنہ
نوحے سے جس کے جنگل تھا زلزلہ میں سارا

(۶)

خاک سیاہ سے تھا قوم و قبیلہ یکساں
موہنہ نوچتی تھی زینبؑ، کلثوم مو پریشاں
قاسم کی ماں بچاری اس واقعہ سے حیراں
مرنا تھا زندگی پر ان سب کے تئیں گوارا

(۷)

کہتی تھی خوب دیکھی بیٹے کی کدخدائی[۵۱]
کیا دھوم ہو رہی تھی جس دم برات آئی
کون آوے ہو براتی سب مرگئے تھے بھائی
یا دولھا آن اُترا یا مرنے کو سدھارا

(۸)

اس جمع[۵۲] کا تھا از بس احوال اضطراری
تھی فرط درد و غم سے ہر اک کو بیقراری
موہنہ آسماں کی جانب کلثوم کر پکاری
کلٹے[۵۳] چرخ ہم سبھوں کا کیا جل گیا تمہارا

(۹)

شہ آفتاب جو تھا اس پر زوال آیا
سر پر رہا نہ اُسکے ختم رسل[۵۴] کا سایا
اکبرؑ نے چاند سا موہنہ ووں خاک میں ملایا
اصغر تھا طفل ہا نہ بیوقت اس کو مارا

(۱۰)

ہے عابدیں جو باقی بیمار و ناتواں ہے
درپیش پھر سفر ہے ساتھ اسکے کارواں ہے
دلجوئی سکینہ کیا ہو سکے عیاں ہے
شور اک اٹھا جو اُن نے بابا کے تئیں پکارا

---

۵۱ کتخدائی۔ شادی ۵۲ مجمع۔ گروہ ۵۳ کرنے ۵۴ آخری نبی یعنی محمد مصطفیٰ صلعم۔

(۱۱)

دادا کی اُور مونھ کر رو دیا یہ کہہ کے پوتا — کاے جدِّ پاک سایہ تیرا جو سر پہ ہوتا
نوجوان اپنی اکبرؑ یوں رائیگاں نہ کھوتا — ہم پر ستم نہ ہوتا اس طرح آشکارا

(۱۲)

کاہے کو یہ قیامت سر پر ہمارے ہوتی — پھوپھی نہ سر کو اپنے یوں پیٹ پیٹ روتی
روتی بلکتی پھرتی اس طور سے نہ پوتی — غلطاں نہ خاک و خوں میں ہوتا حسینؑ پیارا

(۱۳)

ششماہہ طفلِ اصغرؑ ایسا ستم نہ سہتا — یہ سب باتیں ہم کو ہر اک نہ مونھ پہ کہتا
جوش و خروش سے یوں دریائے خوں نہ بہتا — لوہوئے اقربا کے ہوتی نہ خاک گارا

(۱۴)

اب یا نصیب میں نے سر پر بلا اٹھائی — مشکل گذار اس میں گو راہ پیش آئی
کرئے بیاں سو کس سے بابا رہا نہ بھائی — یا ہے نظر خدا پر یا آسرا تمھارا

(۱۵)

اس طرز گفتگو کر چکا ہوا وہ مغموم
ناگفتہ میں بہتر آگے جو کچھ ہو معلوم
روتا چلا جو واں سے خاطر شکستہ مظلوم
احوال دیکھ اس کا مشکل ہوا گذارا

---

۵۱ حضرت علیؑ۔ مطلب یہ کہ ان کے مزار کی سمت رخ کر کے حضرت زین العابدینؑ روئے ۱۲۔ ۵۲ پانی ملی ہوئی مٹی جس سے دیوار بنانے میں اینٹیں جوڑتے ہیں ۱۲۔ ۵۳ طرح ۱۲۔

آٹھواں مرثیہ

(۱)

آیا محرم غم میں رہا کر ابنِ علیؑ کا ماتم[1] رکھا کر
شیون جہاں ہو رو رو جا کر آخر نبیؐ کے منھ سے حیا کر

(۲)

صرفِ خزاں ہے باغِ امامت ابھی نہیں کچھ یاں کی علامت
ہر گل کے سر پر ہو اک قیامت پیراہن اپنا تو بھی قبا[2] کو

(۳)

کھنچ جا علیؑ کی اولاد کی اور نزدیک سب کے ہے یہ طرف زور
سن کربلا کا ہنگامہ و شور غم سے کماں[3] ساں ہر دم نوا کر

(۴)

مٹی میں بوٹے اٹنے لگے ہیں اشجار سارے کٹنے لگے ہیں
گل پھول جو ہیں پھٹنے لگے ہیں جوں ابر تو بھی رو دل لگا کر

---

[1] اس عہد کے روزمرے کے اعتبار سے صف ماتم بچھانا، تعزیہ رکھنا ۱۲۔ [2] محرم میں کفنی کا پہننا عام رواج تھا قبا کا بھی چوں کہ دامن چاک ہوتا ہو اس لیے کہا ہو کہ پیراہن کو پھاڑ کر کفنی بنالے ۱۲۔ [3] جب تیر چلانے کے لیے کمان کھینچی جاتی ہو تو اس سے آواز پیدا ہوتی ہو۔ اسی کی طرف اشارہ ہو ۱۲۔

(۵)

شبیرؑ و احمدؐ نانا نواسا — جس کی نہ خاطر نے کچھ دلاسا
ہفتم سے رکھا اس کو پیاسا — آخر مُوا وہ گردن کٹا کر

(۶)

بابا نہ تھا جو چھاتی لگاتا — بھائی نہ تھا جو ہمت بندھاتا
بیٹا نہ تھا جو لاشیں اٹھاتا — مرنا بنا جو بیکس ہو آ کر

(۷)

پتھر جگر تھا اس شیشہ جاں کا — دیکھا اُجڑنا دوں خانماں کا
مرنا اٹھایا بیٹے جواں کا — کیا کیا گیا آہ سختی اٹھا کر

(۸)

نانا کی اُمت برگشتہ ساری — رکھتا سو کس سے امیدواری
عابدؑ رہا ہے تس کو نزاری — گھر سونپ جاتا کس کو بلا کر

(۹)

القصہ آنکھیں اس کی مُندیں جب — خیموں میں محشر برپا ہوا تب
فریاد و افغاں کرنے لگے سب — مویہ کُناں تھے مو سر کے وا کر

(۱۰)

اس حال میں آ خیمہ جلایا — اسباب ظاہر لوٹا لٹایا
اس گھر کا ماتم یوں کر اٹھایا — یکجا گئے سب میداں میں لاکر

۱ نقاہت، ۲ گریہ وزاری، ۳ سوگ منایا،

(۱۱)

وہ ناتوانی زین العبا[۵۱] کی — وہ دھوم گھر پر جور و جفا کی
بے صرفہ[۵۲] اشیا کیا لٹا کی — تشہیر ستم یہ، اس کو دکھا کر

(۱۲)

وے دست کجیاں وے کج بلاسی[۵۳] — اہلِ حرم کی وہ بے لباسی
پھر ظالموں کی ناحق شناسی — سینے جلائے باتیں سنا کر

(۱۳)

سمجھے نہ کچھ ہم اے چرخ جاہل — دیتے[۵۴] گلے کو شمشیر قاتل
بھائی[۵۵] کو اس کے زہر ہلاہل — بیٹے[۵۶] کو لایا یوں تو بندھا کر

(۱۴)

ناموس اس کے بے پیرتوں میں — دولت سرا وہ بے دولتوں میں
وے اہلِ غیرت بے غیرتوں میں — کیسا رہا تو آنکھیں چھپا کر

(۱۵)

اکبر جواں کو آنکھوں سے کھویا — اصغر پیاسا گودی میں سویا[۵۷]
آنکھیں نہ اس دم تیری تھیں گویا — جب دم گیا وہ خوں میں نہا کر

(۱۶)

تو نیزہ پانی گر چڑھ رہا تھا — لشکر تو اس کا پیاسا موا تھا
انصاف ظالم یہ آہ کیا تھا — نیزہ چڑھایا سر پھر جدا کر

---

۵۱ عبادت کی زینت، لقب حضرت عابد ۵۲ بے تامل ۵۳ نکو۔ قریب ۵۴ اشارہ ہو امام حسینؑ کی طرف ۱۲
۵۵ امام حسنؑ جو زہر سے شہید کیے گئے تھے۔ ۵۶ حضرت عابد ۱۲ ۵۷ شہید ہوا

(۱۷)

عابدؑ کو آزار پر ناتوانی   پھر اسکو مطلق دانہ نہ پانی
نے کوئی غمخوار نے یار جانی   کس سے کہے ٹک میری دوا کر

(۱۸)

بھائی کو دیکھے رو رو سکینہ   جسکی نظر سے جل جائے سینہ
پھر ڈر سے اُن کے جنکو تھا کینہ   رہ جائیں آنکھیں دونوں[۵۱] ملا کر

(۱۹)

قاسمؑ کی شادی ویسے رچائی   لوہو سے مہندی بھر کر لگائی
جوں شمع دُلہن روتی بنائی   آخر موا وہ چھاتی جلا کر

(۲۰)

جو پردگی تھے بے پردہ آئے   خرگاہ خیمے سارے جلائے
بیٹے بھتیجے سب ووں کٹائے   کیا کیا گیا وہ آزار پا کر

(۲۱)

گھر کی علیؑ کے دیکھی خرابی   اہل ستم کی وہ کامیابی
کر فکر غافل اپنی شتابی   کس کو بگاڑا کس کو بنا کر

(۲۲)

مدت تلک کی ہرزہ درائی[۵۲]   شہرت ہوئی پر ذلت اٹھائی
بس میر کب تک پیری بھی آئی   اب مرثیہ ہی اکثر کہا کر

---

۵۱ یعنی امام زین العابدینؑ اور جناب سکینہ ۔ ۵۲ بکواس ۔ اپنی شاعری کے دوسرے صاحبان کے متعلق کہا ہے ۱۲

۷۸۶

نواں مرثیہ

(۱)

ایمان یہ کیا تھا، کیسی یہ مسلمانی　　کی آلِ پیمبر سے جو دشمنیِ جانی
بے آبی[51] میں کشتی تھی شبیرؑ کی طوفانی　　دریا کے کنارے پر اس کو نہ ملا پانی

(۲)

کیا گوہرِ تر لا کر کس گھاٹ اتارا ہے　　لب خشک، جگر ٹکڑے، بے یار و دیار ہے
سب خویش و پسر، بھائی ایک ایک کے مارا ہے　　ہو قہر نہ پانی پر یہ پیاس کی طغیانی

(۳)

انواعِ ستم گزرے، بہنوں کو جواں مارا　　ہو جی کے گھر، تنہا میداں میں عباسؑ مارا
انصار کو یاں مارا، اعوان کو واں مارا　　عباسؑ کی بے جانی، اصغرؑ کی وہ نادانی

(۴)

بازو نہ رہا کوئی اس درد کا کیا چارا　　کیا لطف ہو جینے کا کنبہ مرے جب سارا
پھر دیدہ و دانستہ اپنے ہی تئیں مارا　　سب شہر بیابانی، گھر بار کی ویرانی

(۵)

یہ حشر میں احمدؐ[53] کو منھ کیونکہ دکھائیں گے　　کیا سامنے حیدرؑ[54] کے رو لیکے پھر آئیں گے
دیکھیں گے جو زہراؑ کو کیا بات بنائیں گے　　اے واہ ری دینداری، اللہ ری خدا خوانی

---

۵۱ پانی کی غیر موجودگی ۵۲ علانیہ۔ سب کے سامنے ۵۳ رسول خدا ۵۴ حضرت علیؑ

(۶)

کیا شام کے لوگوں نے فتنے کو جگایا ہے — اولاد کو حیدرؑ کی سب بن میں سُلایا ہے
یہ طور یہودوں سے کس دور میں آیا ہے — اس طور سے پیش آئے کب کفری و نصرانی

(۷)

آنکھیں جو مندیں شہ کی آشوب سا اک آیا — اسباب گیا سارا، خیمہ کو جلا پایا
عریاں سروبے چادر نسواں نہ جنھیں سایا — اس جمع میں اک باری کیا آئی پریشانی

(۸)

غارت ہوا ناگاہی اسباب امیرانہ — محروم حرم شہ کے نکلے، ہو فقیرانہ
عابدؑ کے تئیں لائے میداں میں اسیرانہ — وہ یوسفِ ثانی تھا جیسے کہ ہو زندانی

(۹)

دل سینے میں صد پارہ بے طاقت و بے چارہ — ناموس بیاباں میں یک شہر تھے آوارہ
سر باپ کا نیزہ پر کرتا تھا جو نظارہ — چاہے تھا کہ ناخن سے نوچوں سرِ پیشانی

(۱۰)

بس دست نہ تھا اسکو تھے ہاتھ رسن بستہ — رہ جاتا تھا سر دھن کر ناکام جگر خستہ
کہتا تھا پدر مر کر تو تو ہوا وارستہ — مجھ قیدی کی مشکل ہو آساں نہیں آسانی

(۱۱)

لاشوں کی طرف ہو کر نکلے جو اُساری سب — خونِ جگر آنکھوں میں فریاد تھی زیرِ لب
گرتی ہی نظر جسو تو دیکھے ہے کیا زینبؑ — ہو بھائی کے پیکر کو اس خاک میں غلطانی

---

۵۱ شہید کیا ہے۔ ۵۲ عورتیں ۵۳ یکبارگی ۵۴ اختیار ۵۵ بے پدر ۵۶ آزاد ۵۷ راحت ۵۸ قیدی (اسیر کی جمع)

(۱۲)

گر خاک میں چلائی۔ کیا جرم ہوا بھائی
جو سر کو کٹا تو نے ہموار کی تنہائی[۱]
گر سیرِ چمن اپنا آفت عجب اک آئی
کیا بادِ خزاں نے کی جنگل میں گل افشانی

(۱۳)

نورستہ نہال سکے یک دست چھٹے ہیں گے
اشجار سرو بن سے دیکھو تو کٹے ہیں گے
گل پھول چڑھے چڑھکر ماٹی میں اٹے ہیں گے
اس رنگ کی دیکھی ہو خاموشی و حیرانی ؟

(۱۴)

یاں آن کے جانا تھا ہوگی تری عزت بھی
حیدر کا خلف ہو تو ہو تجھ کو امامت بھی
خاطر کریں گے تیری بھیجیں گے اقامت[۲] بھی
سو قوم سیہ دل نے کیا خوب کی مہمانی

(۱۵)

کیوں تاج شہی تیرا ہو خاک برابر یوں
کیوں مارے گئے تیرے سب خویش و برادر یوں
کیوں سر کے تئیں رکھا لے نیزے کے اوپر یوں
برباد کیا بارے کیوں تختِ سلیمانی

(۱۶)

پڑ گرد بیاباں میں آوارہ ہوئے از بس
بیچارہ و بے وارث، بے جا و مکاں بے کس
جا بیٹھیں کہیں چھپ کر اپنا جو چلے کچھ بس
کیا دیکھی ہو رسوائی کیا خاک ہو یاں چھانی

(۱۷)

احمدؐ نہیں ہو جسکو یہ حال دکھا دیں ہم
حیدرؑ نہیں جس پاس اب روتے ہوئے جا دیں ہم
عباسؑ نہیں جس کو اسوقت بلا دیں ہم
تو تھا سو مٹا تیرا ہنگامۂ سلطانی

---

۱ ہمیشہ۔ دائم۔ امام حسینؑ کی شہادت سے جناب زینبؑ کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا اور ان کی تنہائی دائمی بن گئی ۲ منتظم ۔ ترانہ ۳ تیرے پیچھے نماز بھی پڑھیں گے۔

(۱۸)

ہو زندگی کچھ یہ بھی ہو موت بھلی اس سے سر کٹتے ہیں یوں...فریاد کریں کس سے
اکبرؑ کہ توقع تھی ہم سب کے تئیں جس سے بے وقت گیا مارا سو وہ نبیؐ ثانی

(۱۹)

قاسم کی طرف گاہے پڑتی تھی نظر جا کر اس مخمصے میں شاید امداد کرے آ کر
سر دے گیا سو آگے[1] نہ بات[2] کی کچھ پا کر عشرت نہ جوانی کی اس دل زدہ نے جانی

(۲۰)

ہم شام کو جاتے ہیں، فرصت نہیں ہے ہم کو بے طاقتی سے مطلق طاقت نہیں ہے ہم کو
تاکید سے چلنے کی، مہلت نہیں ہے ہم کو آنکھوں سے کریں ورنہ سب تیری نگہبانی

(۲۱)

یہ کہہ کے گئے آگے، روتے ہوئے غم دیدہ
اب تو بھی قلم رکھ دے اے میرؔ ستم دیدہ
بس گریہ سے خامے کے کاغذ تو ہو نم دیدہ
دیوانی کر اس جا پر، یہاں عقل ہے دیوانی

۱؎ پہلے ہی ۲؎ بات کی حقیقت سمجھ کر۔

۷۸۶

دسواں مرثیہ

(۱)

سنو یہ قصۂ جانکاہ کربلائے حسینؑ　　رکھو ادھر کو بھی ٹک گوش از برائے حسینؑ
جہاں سے واسطے امت کے جی بجائے حسینؑ　　ہزار حیف کہ امت نہ ہو فدائے حسینؑ

(۲)

حسینؑ آ کے مدینہ سے خانماں سے گیا　　حسینؑ تشنہ گرسنہ ہو اس جہاں سے گیا
حسینؑ بیکس و بے یار اپنی جاں سے گیا　　جگر ہو سنگ کا سننے کو ماجرائے حسینؑ

(۳)

حسینؑ بیدل و غمناک بے وطن بھی ہوا　　حسینؑ جی سے گیا ٹکڑے سب بدن بھی ہوا
حسینؑ کو نہ ہوئی گور بے کفن بھی ہوا　　حسینؑ کو کوئی گیا کہہ کے روئے ہائے حسینؑ

(۴)

حسینؑ کا سا جگر کن نے یاں کیا ہے کہو　　کسو نے جی کے تئیں اس طرح دیا ہے کہو
کوئی تو خونِ جگر جن نے یوں پیا ہے کہو　　حسینؑ جانے ہو یا جانے ہو خدائے حسینؑ

۱۔ کان ادھر دھر سنو۔ ۲۔ گور ملی کے بجائے گور ہوئی اس زمانہ کا محاورہ تحقیق نہیں ہو سکا لیکن قیاس کہتا ہو کہ یہ محاورہ ہو گا، ورنہ میر کے لیے نظم کرنے کی کوئی دقت نہیں تھی۔

(۵)

جبیں پہ زخم لگا، چشمہ چشمہ خون بہا
خیال آئے بہت جی میں لیک کچھ نہ کہا
جھکا کے سر کے تئیں سجدۂ میں رہا سو رہا
جفا کی تیغ تھی مرآتِ[51] حق نمائے حسینؑ

(۶)

جو تعزیے کی ہو مجلس بُکا کرو یارو
غم حسینؑ میں چپکے رہا کرو یارو
بجائے چشم بھی اب گوش وا کرو یارو
کہ سرگزشت کہے ہو سر جدائے حسینؑ

(۷)

حسینؑ! کشتہ[52] ہوں تیرے ثبات[53] پا کا ہائے
حسینؑ! تو ہی تھا شائستہ[54] اپنی جا کا ہائے
ترا ہی کام اٹھانا تھا اس بلا کا ہائے
کیا ہے ایسا جگر کن نے تجھ سوائے حسینؑ

(۸)

کہیں عزا کہیں آنکھوں کو چشمہ سا[55] ہے جوش
تمام خلق میں انواع[56] ہیں گے جوش و خروش
جہانِ[57] قدس کے باشندگاں ہیں نیلی پوش
نہیں ہیں ہم میں فقط کشتۂ و فقائے حسینؑ

(۹)

جراحتوں سے تھا یا قوت رنگ خوں جاری
حسینؑ ہائے تری اٹھ گئی سنبھا[58] ساری
لڑی سی ٹوٹ گئی موتیوں کی یکباری
ملے ہیں خاک میں کیا لعل پارہائے حسینؑ

---

[51] آئینہ۔ [52] یعنی فریفتہ [53] ثابت قدمی۔ [54] مستحق لائق [55] مانند [56] طرح طرح کے [57] اردو میں یہ مصرع اس طرح چھپا ہے: "جہاں (کے) قدس کے باشندگاں ہیں نیلی پوش"۔ معلوم ہوتا ہے کہ عجلت میں ان کے مرتب نے جہانِ قدس کے درمیان اضافت کا خیال نہیں کیا اور نون غنہ سمجھ کر وزن پورا کرنے کے لیے (کے) بڑھا دیا۔ معلوم نہیں معنوی اعتبار سے انھوں نے اس (کے) کا کیا جواز سمجھا ۱۲۔ [58] مراد اعزا و انصار ۱۲

(۱۰)

کیا حسینؑ کا برباد خانماں سارا — پسر حسینؑ کا کس ظلم سے جواں مارا
حسینؑ آپ مرا بیکسانہ بیچارا — حسینؑ رونے کی جا گہ ہو ہائے ہائے حسینؑ

(۱۱)

حسینؑ جان سے اپنی گیا نہ دم مارا — ہزار حیف کہ اس کو بہ صد ستم[۵۱] مارا
اسی کا دل تھا جو اس راہ میں قدم مارا — رضائے حق ہی جو کچھ تھی وہی رضائے حسینؑ

(۱۲)

حسینؑ دل زدہ نے صبر سا کیا ہے صبر — ہوا ہو تشنہ لبی سے قیامت اس پر جبر
ہزار حیف نہ صحرا سے اٹھ کے برسا ابر — دریغ[۵۲]! پانی نہ دریا کنارے پائے حسینؑ

(۱۳)

غضب ہوا ہوا ان اسلامیان بے دیں سے — حسین قتل ہوا، سر جدا کیا کیں سے
نکالے اس کے جنازے کو کون تزئیں[۵۳] سے — ہوا اسیر، پسر جو رہا بجائے حسینؑ

(۱۴)

مندیں حسینؑ کی آنکھیں کہا بلا آئی — تمام فوج مخالف کی اس طرح دھائی[۵۴]
جھارے ہوئے لوگوں کو کیسی دکھلائی — جلائے خیمے لٹائی حرم سرائے حسینؑ

(۱۵)

حرم کے لوگ معزز تھے مو پریشاں سب — برہنہ پا و سر اونٹوں پہ تھے نمایاں سب
برشتہ[۵۵] سوختہ[۵۶] اس واقعہ سے حیراں سب — زباں پہ ہائے حسینؑ اور لب پہ ہائے حسینؑ

---

۵۱ انتہائی ظلم ۵۲ افسوس ۵۳ شان و شوکت، آرائش ۵۴ دھاوا کیا، چڑھ گئی ۵۵ بھنے ہوئے ۵۶ جلے ہوئے۔

(۱۶)

کوئی تھی نوحے کی سرگرم غم کش و ناشاد — کسو کے دل سے نکلتی تھی خونچکاں فریاد
سکینہ روتی تھی ہر لحظہ باپ کو کر یاد — رہی نہ رکھی کسو کی مگر منائے حسینؑ

(۱۷)

کوئی کہے تھی کہ اکبرؑ کو مر نہ جانا تھا — نہ جنگ گاہ میں عباسؑ کو بلانا تھا
چچا کے ساتھ نہ قاسمؑ کو آہ آنا تھا — کوئی رہا نہ جسے ہم کو سونپ جائے حسینؑ

(۱۸)

کوئی کہے تھی کہ ہے عابدؑ بہت بیمار — بدن تو شدتِ تپ سے ہو اس کا زار و نزار
کرے ہے اس پہ بھی دلجوئی ہوئے ہو جو خوار — ولے سکینہ کی خاطر کہاں سے لائے حسینؑ

(۱۹)

کوئی کہے تھی کہ اب اک یہی ہے نام خدا — سوائے اسکے جو دیکھو تو کوئی بھی نہ رہا
زناں اسیر ہوئیں مرد ایک ایک موا — کہاں حسینؑ کے گزرے ہیں اقربائے حسینؑ

(۲۰)

عزیز و خویش و پسر لگ گئے کنارے سب — ستم سے ظلم سے یعنی گئے ہیں مارے سب
غریق خون کے دریا میں ہیں بچارے سب — کوئی نگاہ نہ چڑھتا تھا آشنائے حسینؑ

(۲۱)

کوئی کہے تھی کہا ہو گا شہ نے کیا کہیے — یہی ہو مصلحت اب تو کہ جو رہی سو سہیے
گلے کو رکھ کے تہ تیغ چل کے مر رہیے — نہ مقتضی ہوئی کہنے کی کچھ حیائے حسینؑ

لہ کسی کی رہی نہ رکھنا۔ کسی کی بات نہ ماننا ۱۲ — کہ کس جگہ۔ ایسی خراب جگہ ۱۲

(۲۲)

کوئی کہے تھی کہ ایسا نہ ہوئے گا کوئی، ہر ایک بات میں تھی تابعوں سے خوش گوئی
سلوک اس کے کریں یاد، یا کہ دلجوئی نہیں تو کیا کہیں کس منھ سے ہو ثنائے حسینؑ

(۲۳)

سیاہ کاسہ فلک کو مگر تھا سودا کچھ کہ ان نے ٹک نہ کی اس میہماں کی پروا کچھ
اُدھر کو موذی کریں زہر مار کیا کیا کچھ سوائے غصہ و غم اور کچھ نہ کھائے حسینؑ

(۲۴)

کوئی کہے تھی کہ غارت ہوا ہمارا گھر ملا ہو خاک میں شہ، باژگوں ہوا افسر
حرم کے لوگ جو ہیں سو اسیر و گرم سفر رہے تو رو دے گھڑی لے کوئی عزائے حسینؑ

(۲۵)

بہن سے کہتی تھی رو رو کے زینبؑ اے کلثومؑ! چلا تھا بھائی مدینے سے کیسے وقت شوم
ثبا تی راہ جو کرتا تھا قطع، تھا معام کہ سر کے مارے ہی جانا تھا مدعائے حسینؑ

(۲۶)

کبھی کہے تھی زمانہ الٹ گیا اک بار نہ اس چمن میں رہے کچھ نہال نے تھے خار
خزاں نے لوٹے ہیں کیا پات پات کر گلزار ہوا اب وروں کی ہو یاں کہ اب ہوائے حسینؑ

(۲۷)

کوئی کہے تھی کہ یہ بھی خدا کی باتیں ہیں کبھو کے دن ٹھرے ہیں یا کبھو کی راتیں ہیں
نشان کھوئے تہی دشمنوں کی گھاتیں ہیں نگوں پڑا ہی سر خاک پر لوائے حسینؑ

---

۵۱ کھانا (کلمۂ نفرین)، ۵۲ واژگوں۔ الٹا۔ ۵۳ پرچھا لینا ۵۴ تیزی سے ۵۵ رعب و دبدبہ ۵۶ علم

(۲۸)

کوئی یہ کہتی تھی وہ وقت آ گیا دیکھو — امام وقت گلے کو کٹا گیا دیکھو
جراحت ایسی سر اوپر اٹھا گیا دیکھو — کہ سر رہا نہ جو سجدے کو پھر جھکائے حسینؑ

(۲۹)

وہ ابتدا ہو، محمدؐ گلے لگاتا تھا — علیؑ عزیز بہت رکھ کے سر چڑھاتا تھا
سو کربلا میں سر اس کا سناں پہ جاتا تھا — دکھائی چرخ نے اس طور انتہائے حسینؑ

(۳۰)

یہ کہہ کے شام کی جانب ہوئے اسیر رواں
قلم کی میرؔ نے بیتاب ہو کے رکھ لی زباں
کہ آگے خوب نہ تھا ایسے واقعے کا بیاں
شفیع حشر میں بس[۱] ہے اسے ولائے حسین

[۱] - کافی ۔ بہت

گیارھواں مرثیہ

(۱)

دل تنگ ہو مدینے سے جب اُٹھ چلا حسینؑ　　ناموس اپنے ساتھ لیے سب، اٹھا حسینؑ
لوگوں نے یہ کہا بھی کہ یاں سے نہ جا حسینؑ　　لیکن گیا حسینؑ سو جی سے گیا حسینؑ

(۲)

رکھتے ہی پاؤں رہ میں بلا سے ہوا دوچار　　فتنے کا ہر چہار طرف سے اُٹھا غبار
ہر گام گرچہ آتے تھے درپیش غم ہزار　　لیکن نہ دیکھتا تھا تنک، سر اُٹھا حسینؑ

(۳)

طے کر کے مرحلوں کو گیا کوفے کے قریب　　پیماں سے اپنے پھر گئے وے سارے بے نصیب
بدعہدی ان کی دیکھ کے آگے چلا غریب　　تھا ساتھ اک ثبات کے پردہ نہ تھا حسینؑ

(۴)

ناچار ہو کے کوچ کیا اس مقام سے　　کاوش کی طرح[1] پڑتی چلی اہلِ شام سے
سر[2] کھینچتی تھی تازہ بلا گام گام سے　　تا آنکہ رفتہ رفتہ گیا کربلا حسینؑ

(۵)

واں پہنچتے ہی اور زمانے کا رنگ تھا　　اک جمعِ روسیاہ مہیائے جنگ تھا
ہر طعن تھا سنان وہر اک حرف سنگ تھا　　کُنبے سمیت اپنے وہیں ٹھہر[3] گیا حسینؑ

۱؎ بنیاد ۱۲　۲؎ سر کشیدن ۔ سر اٹھانا ۱۲　۳؎ ممکن ہے کہ 'پھر گیا' کے بجائے یہاں 'گھر گیا' ہو۔

(۶)

تھی چشم خیر جن سے نظر آئے ان کے بیر ‏ گل پھول سارے سوکھ گئے پانی کے بغیر
دو روز اپنے باغ میں کی اُن نے خوب سیر ‏ کیا کیا نہ رنگ دیکھ کے یاں سے گیا حسینؑ

(۷)

احوال بیکسی کے ہو نظارگی[۱] موئے ‏ انصار کھینچ پیاس کی لاچارگی موئے
پیادے۔ سوار جتنے تھے یکبارگی موئے ‏ مرگ ان سبھوں کی دیکھتا تھا چپ کھڑا حسینؑ

(۸)

بیٹا جوان ایک نظر سے چلا گیا ‏ اک گودی میں جو تھا سو وہ چھاتی جلا گیا
قاسم کہ دی تھی بیٹی جسے وہ جدا گیا ‏ اوقات تنگ ہو گئی تنہا رہا حسینؑ

(۹)

کیا کیا ستم نہ قلبِ المناک پر سہے ‏ دریا لہو کے آنکھوں کے آگے سے ہو بہے
تا نقش یہ زمانے میں مدت تئیں رہے ‏ میداں میں صاف ہو کے کھڑا مرمٹا حسینؑ

(۱۰)

سیلاب اس کے خون سے اس خاک پر بہا ‏ انصاف کرکسوں نے نہ افسوس ہی کہا
وارث نہ کوئی عابدِ بیمار بن رہا ‏ سو وہ ضعیف و مضطرب و لب پہ وا حسینؑ

(۱۱)

نیزے پہ سر پدر کا مقابل نظر کے تھا ‏ آشوب لوٹ مار کا اطراف گھر کے تھا
مونہ غم کا دل کے اُودھر کہ جانب جگر کے تھا ‏ کہتا تھا میرے حق میں یہ کیا کر گیا حسینؑ

---

[۱] دیکھنے والا۔ مصرع میں نظارگی کے پہلے "کر" محذوف ہے۔ یہ میر کے دور کی خصوصیت ہے۔

(۱۲)

پڑتی نہیں ہے چہرۂ پُر نور پر نگاہ — عالم تمام آنکھ میں میرے ہوا سیاہ
چھاتی کے اپنے داغ دکھاؤں کسے کہ آہ! — رو پوش جا کے مجھ سے کہاں تو ہوا حسینؑ؟

(۱۳)

میں ناتواں، ساتھ مرے ایک کارواں — تسپر کہیں ہیں راہ چلا چل دواں دواں
میں درد دل کو جا کے الٰہی کہوں کہاں — ہوتا تو کان رکھ کے یہ سنتا بھائیؓ حسینؑ

(۱۴)

جیدھر نگاہ جاتی ہے دشمن ہی ہیں کھڑے — اعوان دوست جتنے تھے سب ہیں موئے پڑے
پھر ہم اسیر ہیں سو ہم جیسے ہیں لڑکےؒ — ہر ایک چلنے پائے مصیبتؔ سے کیا حسینؑ

(۱۵)

جاتا ہے قافلہ جو کہیں کو تو جمع ہو — نےؐ ایک ہو کہیں تو کہیں مر رہے ہیں دو
ہمراہیوں کا حال کہوں کیا، ہے گو مگو — جاتا ہے تجھ رئیس کا سر یوں جدا حسینؑ

(۱۶)

نے بھائی، نے بھتیجے، نہ بیٹے، نہ اپنے لوگ — مارے گئے تمام، غم ان کے ہیں جی کے روگ
پُرسے کو کون آوے گا جو لیجیے بھی سوگ — کنبہ تو تیرے آگے ہی سب ہو چکا حسینؑ

(۱۷)

اے اس شکستہ حال کے خستہ جگر پدر! — کیا کہہ کے تجھ کو روئیے خوں ہو گئے جگر
بیکس تو ہو کے مرتے ہیں سب پر نہ اس قدر — مُردے پہ تیرے منع ہے کرنا بکا حسینؑ

۱؎ مصیبت کا بیان ۲؎ ۱ر۔ لڑکا اور لڑکی دونوں مونث ہیں اور ان کی جمع لڑکیں اور لڑکیاں ہوں گی ، لڑکا کی جمع لڑکے قرار دی ہے جو بعض جگہ بولتے ہیں ۱۲ ۳؎ اس جگہ اصل میں جو لفظ تھی وہ پڑھی نہیں گئی ۔ ممکن ہے بجائے 'مصیبت' کے کچھ اور ہو ۱۲ ۴؎ نہ کر۔

(۱۸)

نازل جنھوں کی شان میں تھی آیۂ حجاب[لہ]
سر اُن کے ہیں برہنہ، موںھوں پر نہیں نقاب
پردہ کریں سو کاہے کا. جنگل میں ہیں خراب
چھوڑی نہیں ہو ایک کے سر پر ردا حسینؑ

(۱۹)

کیا جانتے تھے ہم کہ یہ ایسا ستائیں گے
گھر بار کو علیؑ کے کھڑے ہو لٹائیں گے
سبط نبی کے سر کے تئیں یوں کٹائیں گے
اسلامیوں سے ہم کو گماں یہ نہ تھا حسینؑ

(۲۰)

بیگانہ وار تو لے شہ کم سپہ گیا
چلتے ہوئے کسو سے نہ اک حرف کہہ گیا
ناچار تیرے منھ کو ہر اک دیکھ رہ گیا
صد رنگ تجھ سے رکھتے ہیں ہم سب گلا حسینؑ

(۲۱)

خیمے جلے، اسیر ہوئے، گھر لٹ گیا
چھوٹا جو ایک مرنے میں سو بندھا گیا
بے آبی میں جہاز یہ ڈوبا. بہا گیا
تیرے[ٹہ] گئے نہ کوئی رہا آشنا حسینؑ

(۲۲)

بیٹھے جو ہیں سو بال کھلے پیٹتے ہیں سر
ناموس کو جگہ جو ملی ہے سو رہ گزر
پتھر کے لاؤں جا کے کہاں سے دل و جگر
جو ایسے ظلم دیکھوں کھڑا برملا حسینؑ

(۲۳)

جنگل میں سر برہنہ بہت خوار ہم ہوئے
زنجیر، طوق! جیسے گنہگار ہم ہوئے
پھر اور ظلم کے جو سزاوار ہم ہوئے
مرنا ترا تھا ہم پہ یہ تھوڑی جفا حسینؑ

لہ قرآن کریم کی ایک آیت جس میں عورتوں کے پردے کا ذکر ہے ۱۲ ٹہ تیرے جانے کے بعد ۱۲

(۲۴)

ہوتی ہیں وہ جفائیں جو کرتے نہیں ہیں گبر　　ہر آن ہم اسیروں پہ ہے قہر اور جبر
چارہ نہیں ہے ہم کو ہمیں غیر شکر و صبر　　بدحال تو نے چاہا ہے یوں تو بھلا حسینؑ

(۲۵)

انصاف کر کہ غم کے[1] ہوں تا چند پائمال　　شرمندگی ہے زندگی، یہ جان ہے وبال
مرنا خدا سے چاہتے ہیں ہم خراب حال　　پر کیا کریں قبول نہ ہو جو دعا حسینؑ

(۲۶)

باہر تھا یہ سلوک تو تیرا قیاس سے　　پھر اُن سے جو کہ جیتے ہوں تیری ہی آس سے
اکبار ہم تو ایسا گیا اُٹھ کے پاس سے　　ہوتا ہے جیسے کوئی کسو سے خفا حسینؑ

(۲۷)

درپیش اپنے آئی ہے اب طرفہ راہ ایک　　ہر ہر قدم جگر سے نکلتی ہے آہ ایک
ہرگز ادھر کو کرتے نہیں دے نگاہ ایک　　جن مردماں سے رکھتے تھے چشم وفا حسینؑ

(۲۸)

اس دردِ دیں کو دیکھ جگر ہوگئے گداز　　سبطِ نبیؐ پہ دستِ ستم کرچکے دراز
افسوس ہے نہ باندھ کے صف ٹُک پڑھیں نماز　　لوہو میں اپنے سجدہ کرے تو ادا حسینؑ

(۲۹)

خوں ہو گئی دلوں میں ہوس تیری چاہ کی　　کہتے تھے گردِ کحل[2] کریں تجھ سیاہ کی
تن پر ترے سو دیکھی منوں خاک راہ کی　　کانوں سنا نہ ہم نے تجھے بادشا حسینؑ

---

۱ غم کے پائمال کب تک ہوں ۱۲　　۲ سرمہ ۱۲

(۳۰)

مجھ بن رہا نہیں ہو کوئی وارثوں میں مرد
بیمار زار ایک تو میں تھا ہی، پھر یہ درد
سو میں کر دوں ہوں دم بہ دم اک دل سے آہ سرد
عارض ہوا ہو میرے تئیں لا دوا حسینؑ

(۳۱)

اس طور چاہتا ہے کوئی جینے کو کہیں
ہر اک کو آرزو ہے کہ مر جائیے ہمیں
وارث نہیں، شفیق نہیں، لطف کچھ نہیں
لیکن نہیں ہو بختی ہماری قضا حسینؑ

(۳۲)

جیسی تھی زندگی میں ہمیں تجھ سے بندگی
صورت ہو کوئی جاتی نہیں اپنی پیروی
غالب کہ تا بہ حشر عقیدہ رہے یہی
اب سر ترا ہمارا ہوا پیشوا حسینؑ

(۳۳)

لے سب اسیر، شام کی جانب کو ہیں رواں
کر جاؤں تیری فکر سو فرصت مجھے کہاں
ناچار ان کے ساتھ ہوں میں زار و ناتواں
حافظ نگاہبان ہے تیرا خدا حسینؑ

(۳۴)

اشجار تیرے باغ کے یکبار گی کٹے
آہیں کریں کہاں تئیں، سینے تو سب پھٹے
گل اور بوٹے جور کے آروں سے سب چھٹے
کچھ اور ہو گئی ہے یکایک ہوا حسینؑ

(۳۵)

مردہ کہیں پڑا ہے، کہیں سر، کہیں ہے پا
القصہ پاؤں رکھنے کو ملتی نہیں ہے جا
ہر گام پر ہے ایک جواں جان سے گیا
جنگل تمام مرنے سے تیرے بسا حسینؑ

۱؎ لاحق ہو گیا۔ لگ گیا ۱۲ ۲؎ تیرے دفنانے کی فکر ۳؎ کہاں تک ۱۲

(۳۶)

بنتا نہیں غرض یہ کہ تجھکو اٹھا کے جائیں افسوس تجھ سے شخص سے منھ کو چھپا کے جائیں
تدبیر کیا کریں کہ ٹکڑے ہو گڑا کے جائیں سنتا نہیں ہو کوئی ہمارا کہا حسینؑ

(۳۷)

جانے میں جگہ سے تیرے بہت آئے ہم بہ تنگ عابد ہوئے ہزاروں طرح کے ادھر کو ننگ
کچھ زندگی کا ڈھنگ بھی ہو مت کرے درنگ پاس اپنے تک ہمیں بھی شتابی بلا حسینؑ

(۳۸)

بندی ہوئے چلے ہیں کسو اور بے نصیب سجادؑ دست بستہ بھی ہمراہ ہے غریب
وقت وداع پہونچا ہو آگر بہت قریب دے تجھ کو خواب مرگ سے کوئی جگا حسینؑ

(۳۹)

دو حرف تیرے مونہ کے بھی تا سن کے جائیے دل کو نہیں قرار تسلی تو پائیے،
کیا جانیے کہ...... پھر کیونکہ آئیے بیدرد روزگار تو ہم سے پھرا حسینؑ

(۴۰)

آگے گیا یہ کہہ کے اسیروں کا قافلہ
بانوں کا لاعلاج ہیں چھوڑ سلسلہ
بس میرؔ تو بھی چپ ہو۔ ہوا دل تو آبلہ
مرزہ زباں دراز کہیں کہہ کے یا حسینؑ

لہ دفن کرکے ۱۲ ۲ے اپنے سامنے ۱۲ ۳ے دیر ۱۲ ۴ے قیدی ۱۲ ۵ے ہتھکڑیاں پہنے ۱۲

بارھواں مرثیہ

(۱)

نکلا ہے خیمہ شام کو شہ کا جلا ہوا — لاشہ ہے آفتاب[۵] میں اس کا پڑا ہوا
عابدؑ اسیر ہو کے چلا ہے بندھا ہوا — ناموس ساتھ قافلہ جیسے لٹا ہوا

(۲)

بیمار، زرد، پاؤں میں طاقت تنک نہیں — مرگِ پدر کے غم سے فراغت تنک نہیں
پھر جورِ اہلِ شام سے فرصت تنک نہیں — جاتا ہو جی قدم قدم اوپر چلا ہوا

(۳)

ناموس کو جو دیکھے ہے حالِ خراب سے — آنکھیں نہیں کسو سے ملاتا حجاب سے
جس وقت گر پڑے ہو کہیں اضطراب سے — رہ جائے دیر دیر تلک پھر گرا ہوا

(۴)

جاتا ہو سوئے شام دل اپنا سیاہ کر — گرتا ہو گام گام پر اک دل سے آہ کر
مانندِ آفتابِ قیامت نگاہ کر — سر کو پدر کے راہ میں نیزے چڑھا ہوا

(۵)

اس لشکرِ شکستہ و خستہ کو ایک بار — میداں میں کارزار کے ہو کر ہوا گزر
دیکھا وہ خاک و خوں میں کٹا سر جو تاجدار — کہنے لگا ہر ایک کہ اے شہ یہ کیا ہوا

---

۵ مراد دھوپ میں ۱۲

(۶)

کل تک تو بزم ناز کا مسند نشین تھا تو ‏ اسلامیوں کی رونقِ ایمان و دیں تھا تو
مسجودِ خلق و قبلۂ اہلِ یقیں تھا تو ‏ ہنگامہ تیرے سر پہ یہ کیسا بپا ہوا

(۷)

امت نے کیوں نبیؐ کی کیا تجھ کو یوں ہلاک ‏ تھا کیا سبب کہ بسترِ راحت ہوئی ہے خاک
کچھ وجہ بھی کہ دھوپ میں جلتا ہو جسمِ پاک ‏ رو بیتِ علیؑ کی جاتی رہی کیا بلا ہوا

(۸)

اکبرؑ جو تھا شبیہِ محمدؐ سو وہ گیا ‏ اصغرؑ تڑپ کے تشنہ لبانی سے یوں گیا
جانے کو اپنے آپ تو جانے ہی جوں گیا ‏ گھر کا ترے گئے یہ عجب ماجرا ہوا

(۹)

ارمان کیسے کیسے گئے ساتھ لے جواں ‏ ہر لحظہ ایک ماتم تازہ رہا ہے یاں
شادی اگرچہ تھی تو اس طرح اپنے ہاں ‏ قاسمؑ شہید اُن کے جوں کدخدا ہوا

(۱۰)

اعوان یوں تلف ہوئے کٹتی ہو جیسے گھاس ‏ انصار اس طرح کٹے وحشی ہوں جوں اُداس
اسبابِ ظاہری نہ رہا کچھ کسو کے پاس ‏ وابستہ تھا جو کوئی ترا، سو گدا ہوا

(۱۱)

کیوں غرقِ خون ہو کے ہمیں تو ڈبو گیا ‏ کیوں ہم سے بے علاقہ و فارغ سا ہو گیا
میدان میں کارزار کے کیا آ کے ہو گیا ‏ آیا نہ پھر جو گھر کی طرف تو، گیا ہوا

لے بلحاظ، ادب ۔ ۲ے "ہوا" کو فانی گیا کا تابع کر دیا ہے ورنہ بلا مونث ہے ۱۲ ۳ے بیاہا جانا ۱۲ ۴ے ممکن ہے یہاں لکھو گیا ہو کیونکہ قافیہ مکرر ہوا جاتا ہے۔

(۱۲)

آتے بھی ہیں جو اٹھتے ہیں اپنے مکان سے
دل تنگ ہو کے جاتے بھی ہیں پر نہ جان سے
وہ اٹھ کے جو گیا سو گیا پھر جہان سے
کیا جانے تو کہ گھر پہ ترے پیچھے کیا ہوا

(۱۳)

فرزند و زن اسیر ہوئے ٹک تو آنکھ کھول
خیمے گرے پڑے ہیں کھڑے غول کے ہیں غول
حسرت سے ہم تو چپ ہیں بھلا تو تنک تو بول
اک شور ہو جو مونہ منڈے تو ہے پڑا ہوا

(۱۴)

غارت علی العموم تھی تھا حکم قتل عام
مارے گئے چنانچہ ترے اقربا تمام
واماندگاں سب ہیں اسیرانہ سوئے شام
ہو اک چراغ خانہ سو جاوے بجھا ہوا

(۱۵)

یعنی وہ سخت سست ہو بیمار عابدینؑ
ناموس کو جو دیکھے ہو یوں خوار عابدینؑ
تس پر بندھا ہو جیسے گنہگار عابدینؑ
گریاں برنگ ابر ہو آگے کھڑا ہوا

(۱۶)

روتی ہو جب سکینہ تو روتا ہے زار زار
آخر کو گر پڑے ہو وہ بیتاب ڈاڑھ مار
جاتی ہو چھوٹ ہاتھ سے اونٹوں کی گرمہار
کیا کیا سنے ہو غیروں سے چھاتی جلا ہوا

(۱۷)

کیا کہیے تیرے غم سے جگر ہو گیا گداز
تجھ پیشوا کی لاش کو ہو خاک و خوں سے ساز[۵۲]
کر ذبح تجھ کو دوڑے ہیں شامی پئے نماز[۵۱]
خوب ان سے تیرا حق امامت ادا ہوا

---

۵۱ کوئی مشکل اور قابل فخر مرحلہ سر انجام دینے کے بعد مسلمان شکرانے کی نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں اسی پہلو کو بیان کر کے شامیوں کی گمراہی کی طرف اشارہ ہو۔ ۱۲ ۵۲ گداز ۱۲

(۱۸)

سینے تمام داغ ہیں، دل میں ہیں آبلے
ہرگز نہ اس چمن میں گُلِ آرزو کھلے
جی چاہتا تھا مسندِ عزت تجھے ملے
سو ہم نے تجھ کو خاک میں دیکھا ملا ہوا

(۱۹)

بیگانگی نہ طبع میں تھی تیرے اس قدر
سو بار تجھ سے ہوتے تھے آپس میں حرفِ سر[۱]
کیا ہوگیا کہ تجھ کو اِدھر اب نہیں نظر
یا وہ تپاک تھا، کہ یہ نا آشنا ہوا

(۲۰)

آزردہ ہم میں کس سے ہے، تو کیا ملال ہے؟
وہ کون تیرا باعثِ رنج و تکال[۲] ہے
رنجش ہی کا دماغ میں اب تک خیال ہے
جانا ہے ہم سبھوں نے ترا سر جدا ہوا

(۲۱)

کچھ گرمِ رو نہیں ہو سناں پر ترا ہی سر
ہم پر بھی تیرے پیچھے ہے درپیش اک سفر
کیا بے مروتی ہو بھلا منھ تو کر اِدھر
یہ قافلہ بھی سر سے ہے تیرے لگا ہوا

(۲۲)

اس واقعہ کے بعد بھی تھا دل میں یہ خیال
گاڑیں گے تیری لاش بصد عزت و جلال
ماتم رکھیں گے دیر بہت کھینچیں گے ملال[۳]
سو خاک میں بھی تجھ کو نہ دیکھا چھپا ہوا

(۲۳)

چاہا ترے محبوں کا ہرگز ہوا نہ آہ
بے آب یہ جہاز ہوا دشت میں تباہ
دریا بہے لہو کے جہاں تک گئی نگاہ
دشمن کے حسبِ خواہشِ دل مدعا ہوا

ف[۱] باتیں ۱۲ ف[۲] تکلیف ۱۲ ف[۳] ملال کشیدن کا ترجمہ ہے یعنی رنج کریں گے ۱۲

(۲۴)

کیا نقل کریے حالتِ دشوار بعدِ جنگ　　　دم بھی لیا گیا نہ ہوا کام ایسا تنگ
القصہ زندگانی ہوئی ہم سبھوں کو ننگ　　　تو کوئی دم جو آگے گیا تھا بھلا ہوا

(۲۵)

خیمے جلے، اسیر ہوئے، دیر تک گھرے　　　لوٹے گئے ردائیں لُٹیں، مضطرب پھرے
کیا کیا نہ پیش آیا ہمیں جاتے ہی ترے　　　پوشیدہ کیا ہو، یہ جو ستم برملا ہوا

(۲۶)

برباد اس طرح سے نہیں جاتے گھر کہیں　　　ملتے نہیں ہیں خاک میں یوں دُرِّ تر کہیں
چلتی نہیں ہے تیغِ جفا اس قدر کہیں　　　جو تن نظر پڑے ہے سو ہے سر کٹا ہوا

(۲۷)

کیا ظلم ہو کہ ابنِ علیؑ تشنہ لب مرے　　　اور اس کی لاش کو نہ کوئی قبر میں دھرے
آبِ حیات پانی جنھوں کا بھرا کرے　　　سو نام اس گروہ کا وارث مُوا ہوا

(۲۸)

عمرِ دراز جان کی اپنی ہوئی وبال　　　اتنا نہ جیتے ہم تو نہ یہ کھینچتے ملال
دیکھا علی کے بیٹے کو اس طرح پائمال　　　جس کا نہ نام لیں وہ گنا بادشا ہوا

(۲۹)

کہتے تھے ہم حسینؑ کو دیکھیں گے بادشاہ　　　سو اس کو خاک و خون میں دیکھا طپیدہ[لہ] آہ
گرد اس کی رہ کی جائے گی تا چرخِ روسیاہ　　　تڑپے بہت ولے نہ ہمارا کہا ہوا

لہ ڈھتا ہوا ۱۲

(۳۰)

تھے لاش سے یہ حرف جگر سوز درمیاں جو مانع درنگ ہوئے جور پیشگاں
ناچار واں سے گریہ کناں سب ہوئے رواں اس کارواں کا عابدؑ نالاں درا ہوا

(۳۱)

ہر چند شاعری میں نہیں ہے تری نظیر
اس فن کے پہلوانوں نے مانا تجھی کو میر
پر ان دنوں ہوا ہے بہت تو ضعیف و پیر
کہنے لگا جو مرثیہ اکثر بجا ہوا

لہ تاخیر۔ دیر ۱۲

تیرھواں[۱۳] مرثیہ

(۱)

وقتِ رخصت کے جو روتی تھی کھڑی زار بہن   بولے شہ روؤ نہ بس اے مری غمخوار بہن
کیا کروں جان کے دینے میں ہوں ناچار بہن   اب ہے روزِ قیامت ہی پہ دیدار بہن

(۲)

جن عزیزوں نے مرے ساتھ کیا تھا اک جوگ[۱]   دیکھتے دیکھتے ہی چل بسے وہ سارے لوگ
لطف اس جینے کا کچھ ہو کہ رکھا کریے سوگ   ہوجے[۲] کس کس کے لیے آہ عزادار بہن

(۳)

ساتھ والا نہ کوئی ہوئے رہوں میں صد حیف   بن حریفوں کے یہ خمخانہ ہے سارا بے کیف
پھر جو بازو تھے دے سب ہیں علفِ خنجر و سیف[۳]   قاسمؑ اکبرؑ کے تئیں کھا گئی تلوار بہن

(۴)

ساتھ جو ایسا ہو تیمار[۴] تو رہتا ہے کوئی   واسطے جائے[۵] یہ پھر جور بھی سہتا ہے کوئی
اس جگہ جز سخنِ مرگ بھی کہتا ہے کوئی   ہو تنگ تو ہی مری منصبِ گفتار بہن

(۵)

ہاتھ سے بیٹوں بھتیجوں کو نہ یوں دے جاتا   بیکسانہ رفقا کے نہ گلے کٹواتا
کسو کو ساتھ لیے کاہکو یاں میں آتا   علم اگر ہوتا کہ یہ دشت ہے خونخوار بہن

---

۱ ساتھ ۔ حمایت ۔ بیعت ۲ ہوئیے کی جگہ ہوجے نظم کیا گیا ہو ۔ ۳ ۔ ۴ ۵ جا ۔ ۳ ۴ ۵ یقینی قابلِ غور ہیں

(۶)

آتشِ غم سے درونہ ہی نہیں جلتا ہے
دل بھی سینے میں مرے جیسے کوئی ملتا ہے
گھر کے ویرانے کی کچھ شرح میں لب ہلتا ہے
ورنہ حیرت نے کیا ہے مجھے دیوار بہن

(۷)

حیف وہ جن کھنوں نے ساتھ نہ یاروں کا کیا
پھر وہ ہے ہے کہ اکیلا بُرے احوال جیا
پاس انکا ہے ضروری جنھوں نے جان دیا
دور اُن سے ہے مجھے زندگی دشوار بہن

(۸)

ہر دم اک آگ نئی جلتی ہے میں بھنتا ہوں
ناکسی[۱] اپنی نظر کرتا ہوں، سر دھنتا ہوں
منھ پہ کیا کیا مرے وہ کہتے ہیں میں سنتا ہوں
ہم زبانی سے جنھوں کے تھی مجھے عار بہن

(۹)

بالشِ ناز[۲] سے جسکے تئیں لگتا تھا ننگ
اب اُسی سر کے تئیں پاتے ہیں شائستہ[۳] سنگ
پھول رہتے تھے بھرے جس میں ہمیشہ صد رنگ
اسی دامن سے گھسٹے رہتے ہیں اب خار بہن

(۱۰)

ہائے یہ وقت نہیں طاقتِ دل کھونے کا
کہ صعوبت جب تجھے غم ہو نہ مرے ہونے کا
ابھی کیا رووے ہو آگے ہو سماں رونے کا
یاد آؤں گا بہت میں جگر افگار بہن

(۱۱)

خاک میں اپنے جگر پارے پڑے پاتا ہوں
رنگِ صحبت سے کھڑا خونِ جگر کھاتا ہوں
جی میں جو کچھ ہو سو جی ہی میں لیے جاتا ہوں
وقت ہو تنگ مناسب نہیں اظہار بہن

[۱] جگر، سینہ، [۲] بے کسی، [۳] تکیہ، [۴] لائق

(۱۲)

ایسی بدحالی سے گرتا نہ جو اکبرؑ بیٹا اپنے دل کے لہو سے خاک بھرا منھ دھوتا
آج کے دن جو سلامت مرے سر پہ ہوتا دیکھتا یوں نہ مجھے حیدرِ کرار حسین

(۱۳)

آشنا کون، کہوں جس سے یہ حالِ مستور عقل سے دور ہو مرنے کے قریب اب مذکور
درد دل اپنے سناتا اُسے تب میں مجبور ہوتا دنیا میں اگر احمدِ مختار حسین

(۱۴)

چشم انصاف کہاں جس سے نظر آوے حال کس کے اس طرح ہوئے خویش و برادر پامال
تو ہی مجھ ظلم رسیدہ سے ہو سرگرم مقال ابھی اکبرؑ تھا بھلا خوں کا سزاوار حسین

(۱۵)

جور کے تیر کا اصغرؑ کا گلا تھا قابل قاسمؑ ایسا تھا کہ مارا پڑے ہو کر گھائل
میں ہوں ایسا کہ مرے درپے خوں ہیں جاہل عالم الغیب ہی جانے ہے یہ اسرار حسین

(۱۶)

میں تو جانا تھا کہ یہ قوم تشہدؔ گو ہے اور احمدؐ کا تمنائے دل و جاں تو ہے
یہ نہ جانا کہ ہر اک تیرہ دروں بدخو ہے جی سے ماریں گے مجھے کر کے گرفتار حسین

۵؎ لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و محمدؐ عبدہٗ و رسولہ۔ نہیں ہو کوئی خدا سوا خدا کے جو تنہا اور بغیر شریک ہو۔ اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں ۱۲۔

(۱۷)

آنکھ ان لوگوں کی آتی ہے نظر مجھکو بُری
دیکھیو سر کے تئیں کاٹیں گے لے لے کے چھُری
پھر بھی تو انکے دلوں سے نہیں جانے کی پُری[1]
سر کٹے پر بھی رکھیں گے یہ سرو کار بہن

(۱۸)

غم شریک آج پدر ہے نہ کوئی بھائی ہے
سو طرح کی ہے جفا اور یہ تنہائی ہے
سر پہ کیا جانئے کیوں ایسی بلا آئی ہے
پاؤں تو کچھ ہے مرا یاں نہیں زنہار بہن

(۱۹)

مجھ کو جائے ہی بنے گرچہ نہیں ہے دلخواہ
سر کٹے ساتھ کے جتنے ہیں کھڑے ہیں سر راہ
دلِ غم دیدہ میں کیا کیا ہے مرے کیونکر آہ!
فرصتِ کم میں کہوں یہ غمِ بسیار بہن

(۲۰)

ہاتھ سے تم بھی سرِ رشتۂ تسکیں کو نہ دو
سخت کر جی کے تئیں بیٹھو۔ نہ روؤ۔ نہ کڑھو
ہو سکے تو دلِ سجّاد کو اب ہاتھ میں لو
چھوڑتا ہوں میں اُسے بیکس و بیمار بہن

(۲۱)

ایک تو تپ اُسے رہتی ہی نہایت ہے حقیر
دوسرے جاتے رہے جان سے سب خرد و پیر
تیسرے مرگ پدر سخت کرے گی دلگیر
مار ہی ڈالے ہے آزار پہ آزار بہن

(۲۲)

وقت نزدیک ہے اب جیسے مرے جانے کا
یہی صورت ہے تو میں منہ نہیں دکھلانے کا
قابو بنتا ہے کہاں یاں تئیں پھر آنے کا
ہیں سب اسباب مرے مرنے کے تیار بہن

[1] ان کا دل خالی نہ ہوگا یعنی ان کے دل میں جو کینہ بھرا ہے وہ نہیں نکلے گا۔

(۲۳)

جس گھڑی جان مری تن سے جدا ہووے گی دن کی ہو جاوے گی شب تیرہ ہوا ہووے گی
درہمی برہمی سے حشر بپا ہووے گی اس قیامت میں سکینہ سے خبردار بہن

(۲۴)

شہربانو کو نہ ٹک پاس سے ہٹنے دیجو فرطِ اندوہ سے دل اس کا سنبھلنے دیجو
غم کی ماری کو نہ جنگل میں نکلنے دیجو اس کے سب اہلِ جنوں کے سے ہیں اطوار بہن

(۲۵)

مجھ سے دلبستگی رکھتی تھی وہ شوہر مردہ بہت[1] کم جو آتا ہوں تو ہو جاتی ہے افسردہ بہت
سُن کے مرنے کو مرے ہو گی دل آزردہ بہت پوچھیو اس کے بہت دیدۂ خونبار بہن

(۲۶)

یہ سخن بھائی نے کہہ منھ جو کیا اودھر کو سر سے زینبؑ نے اُٹھا پھینک دیا معجر[۳] کو
دیکھتی تھی کبھو بھائی کو کبھو گھر در کو چھپ گیا آنکھ سے جب رہ گئی من مار بہن

(۲۷)

کیا کہوں میرؔ سُنا جن نے جگر اس کا جلا
جب وہ نومید ہو یوں کہنے لگی تاب نہ لا
تو جو اکبار اُٹھا یاں سے تو مرنے ہی چلا
اب پکارے گی اخی کہہ کے ہر بار بہن

۱۔ اس مصرعہ کا یہی تلفظ ہے: افسوس کا مطلع ہے:- اس آفت زماں کی مژہ ڈھلک جو ہل گئی
۲۔ شوہر ۳۔ چادر برچھی اک اور ناز کی اس دل پہ چل گئی

چودھواں مرثیہ

(۱)

سجّاد کو فلک نے کس کس طرح ستایا　　کنبہ کو دُوں کھپایا۔ گھر بار یوں لٹایا
سر باپ کا کٹایا تھا سر پہ جس کا سایا　　لاشے کو اُس کے تسپر یوں دھوپ میں جلایا

(۲)

رخصت نہ تھی کہ مردہ اُس کا اُٹھا کے جاوے　　مہلت نہ تھی کہ گھر کے لوگوں تئیں چھپاوے
فرصت نہ تھی کہ رسمیں میّت کی کرنے پاوے　　ہر گام ضعفِ تن نے تنوا مرتبہ گرایا

(۳)

گھر کی طرف جو دیکھا سو لٹتے گھر کو دیکھا　　بھائی میں دم نہ دیکھا بے سر پدر کو دیکھا
دیکھا جدھر نہ اپنا کوئی اُدھر کو دیکھا　　ہوتا کوئی تو کہتا تو پُرسے کو نہ آیا

(۴)

آغشتہ خاک و خوں میں جو تھے ہوئے پڑے تھے　　جوں اشک یا رو یاور سارے چوئے پڑے تھے
مشفق پدر، برادر، دونوں موئے پڑے تھے　　شفقت نہ کی کنھوں نے احوال تو دکھایا

(۵)

نے کوئی یار جانی، نے لطف کچھ زبانی　　کھانا ملا نہ پانی، کاہے کی زندگانی
غیروں کی سرگرانی، پھر اپنی ناتوانی　　طاقت نہ تھی بدن میں پر کیا ستم اُٹھایا

(۶)

قوت نہ پاؤں سر میں۔ حیراں غمِ پدر میں — باقی نہ کچھ جگر میں، نومیدی سی نظر میں
دشمن تمام گھر میں، ناموس رہگذر میں — غیرت نے دل جلایا، خجلت نے جاں کھپایا

(۷)

کہتا تھا یوں وہ مغموم غم میں سبھوں کے مہموم[1] — عمو[2] موا ہو مسموم، مقتول جدِ[3] مرحوم
بابا کفن سے محروم۔ میں ہوں اسیر مظلوم — دو ہاتھ جو کھلے تھے سو ان کو بھی بندھایا

(۸)

کیا تپ نے تن میں چھوڑا۔ خوں جُھلگی نچوڑا — خالی پدر کا گھوڑا، دکھلا دیں غیر کوڑا
دل جیسے پکا پھوڑا، ہر دم ہو تھوڑا تھوڑا — پُرخار بادیہ میں ننگے قدم چلایا

(۹)

حالت تھی اضطراری، اک دل میں بیقراری — آنکھوں سے اشک جاری، ہونٹوں پہ آہ و زاری
وہ جسم کی نزاری، دکھ اسطرح کا بھاری — جب آنکھ اُٹھا کے دیکھا، تب ایک داغ پایا

(۱۰)

بیمار وہ گراں تھا، از بس کہ ناتواں تھا — آرام اسے کہاں تھا۔ ساتھ ایک کارواں تھا
غم کا کبھو بیاں تھا۔ رونا کبھو رواں تھا — کیا رسمِ رحم یکسر واں اُٹھ گئی تھی آیا

(۱۱)

اصغر[4] موا بچارا۔ اکبر[4] سو وں سدھارا — قاسم[4] کو بھی ہے مارا۔ بابا کا سر اُتارا
قوم و قبیلہ سارا۔ یوں کر گیا کنارا — پانی دیا نہ قطرہ۔ دریائے خوں بہایا

۱۔ غمگیں ۲۔ امام حسنؑ جو زہر دے کر شہید کیے گئے۔ ۳۔ حضرت علیؑ۔ ۴۔ سب۔

—— (۱۲) ——

جامہ گلے میں آبی۔ لب خشکی۔ دل کبابی　　گھربار کی خرابی۔ اندوہ و پیچ و تابی
پھر سب کی پُر عتابی۔ چلنے کی یہ شتابی　　نے باپ کو اُٹھایا نے بھائی کو گڑایا

—— (۱۳) ——

وہ انکسار اُس کا۔ کوئی نہ یار اسکا　　دل ..... ہزار اس کا۔ جی بے قرار اسکا
جنگل گذار اس کا۔ چھوٹا دیار اسکا　　کر رحم پاس اسکے کنبہ تنک بُلایا

—— (۱۴) ——

لاشوں پہ ہو نکلنا۔ ناچار پاؤں چلنا　　سینے میں جی کا ٹلنا۔ شرمندگی سے گلنا
رہ رہ کے ہاتھ ملنا۔ حیرت سے لب نہ ہلنا[1]　　دل تو ہوا تھا خوں سب۔ یہ غم کہاں سمایا

—— (۱۵) ——

جاہ و حشم کو رووے۔ ناز و نعم کو رووے　　بابا کے دم کو رووے۔ اہل حرم کو رووے
فرطِ الم کو رووے یا چشم نم کو رووے　　غم نے جدا کھپایا۔ تپ نے جدا سکھایا

—— (۱۶) ——

بیماری بے دوائی۔ بختوں کی نارسائی　　بابا رہا نہ بھائی۔ اُن سب کو موت آئی
یاروں کی بے وفائی۔ لوگوں کی بے روائی　　اسباب کی کمی نے بہتیرا ہے کڑھایا

---

۱ میر کے زمانے میں ہلنا، گھسنا کا تلفظ اب سے مختلف تھا۔ میر شبیر علی افسوس کا شعر ہے:

اُس آفتِ زماں کی مژہ ٹک جو ہل گئی　　برچھی اک اور ناز کی اِس دل پہ چل گئی

(۱۷)

جو تھا سو واں کمینہ اس کا کہاں قرینا
ہر اک کو اس سے کینہ۔ دشوار اسکا جینا
ہر گام لوہو پینا۔ آ آگیا پسینا
پھر جسم کے مرض نے جی کو بہت کھپایا

(۱۸)

بابا کی جستجو میں۔ ملنے کی آرزو میں
اک حزن گفتگو میں۔ اک درد مو بمو میں
طوقِ گراں گلو میں۔ پھر سر پہ ایسی دھوئیں
اُس خاک میں ملے کو کیا خاک میں ملایا

(۱۹)

قوت کوئی جتاوے۔ باتیں کوئی بتاوے
کوڑا کوئی دکھاوے۔ کڑیاں کوئی سناوے
وہ آنکھ کیا ملاوے۔ روتا چلا ہی آوے
بیچارہ ناتواں پر کیا زور آزمایا

(۲۰)

پلکیں رہیں نہ کیوں تر۔ آنکھیں نہ لاوے کیوں بھر
وہ دشت اور وہ در پھر اس پہ سیکڑوں ڈر
پیدا نہ ہوئے رہبر۔ کھویا نہ جائے کیونکر
بکیس کھنچا جو آیا۔ سر باپ کا نہ پایا

(۲۱)

جنگل میں آ اُترنا۔ بابا کا مُفت مرنا
تنہائی کا گزرنا۔ درد اپنا سب بسرنا[1]
دُکھ اس طرح کا بھرنا۔ ناچار صبر کرنا
بندہ تھا وہ بھی لیکن کیا ظرف تھا خدایا

(۲۲)

القصہ لوگ سارے۔ جی سے گئے بچارے
بیٹے۔ بھتیجے۔ پیارے۔ شہ کے تمام مارے
تا چند کڑھیے بارے۔ دُکھ کھینچ کھینچ ہارے
اُن شہریوں نے مر کر جنگل وہ سب بسایا

---

[1] بھولنا۔

(۲۳)

باقی اسیر تھے سب فریاد و نالہ برلب
مت پوچھنا کوئی اب تھا دن سیاہ جوں شب
ہے میرؔ بات بیڈھب۔ خاموشی ہی ہے انسب[1]
اُن قیدیوں کو کن نے ہو ملتفت چھڑایا

پندرھواں[15] مرثیہ

(۱)

ہنگامہ چرخ تو نے جفا کا اُٹھا دیا
شیوہ ستم کا تیرہ دلوں کو سکھا دیا
خیمہ انھوں نے ابنِ علیؑ کا جلا دیا
پردہ سارہ گیا تھا کچھ اک سو اُٹھا دیا

(۲)

کیا تو نے آنکھ موند لی ہے تیرے سر پہ خاک[2]
ماں اس کی فاطمہؑ گئی عالم سے دردناک
باپ اسکا بوتراب ہوا کوفہ میں ہلاک
بھائی حسنؑ کو زہر پلا کر سُلا دیا

(۳)

ہے نقش وہ جو کھینچ گیا ہے کدورتیں
بیٹا۔ بھتیجا دونوں تھیں گویا کہ مورتیں
تھیں آب و رنگِ صفحۂ عالم وہ صورتیں
سو بات کہتے تو نے انھوں کو مٹا دیا

(۴)

آزار تیرے جور سے انواع پا گیا
یا قوت پارے خاک میں اپنے ملا گیا
کیا کیا زیاں حسینؑ جہاں میں اٹھا گیا
ناموس دی بر باد[3] جدا، سر جدا دیا

---

[1] زیادہ مناسب [2] کلمہ نفریں [3] بر باد دادن۔ برباد کرنا۔

(۵)

مرنا حسینؑ کا ہے، فلک یوں نہ جائے گا　　حلقِ بریدہ سے جو وہ عرصے[1] میں آئے گا
ہر گام ایک تازہ قیامت اُٹھائے گا　　یہ وہ نہ ہو کہ خون کیا پھر دبا دیا

(۶)

آنکھوں میں اُسکے ہو نہ جہاں کسطرح سیاہ　　کیا سوجھے اسکو، چہرے پہ کسکے کرے نگاہ
اکبرؑ اندھیرے گھر کا اُجالا تھا اسکے آہ!　　بادِ ستم نے تِسکو دیا سا بجھا دیا

(۷)

اصغرؑ کو خیمہ گاہ سے لایا تھا تشنہ کام　　سو کام ایک تیر میں اس کا ہوا تمام
پانی کا پھر حسینؑ نے ہرگز لیا نہ نام　　دیکھا کہ طفلِ شیر کو لوہو چٹا دیا　　بِلا دیا

(۸)

ہمدم جو تھے حسینؑ کے مارے گئے سبھی　　یاری کی یاوروں کی۔ نہ مہلت کسو کو دی
عباسؑ جس سے بازوِ امامت کا تھا قوی　　تیغِ جفا سے بازو ہی اُس کا کٹا دیا

(۹)

قاسمؑ چراغ بھائی کا آیا پتنگ ہو　　کہنے لگا کہ میرے تئیں حکمِ جنگ ہو
تاچند زندگانی وبال اور ننگ ہو　　افسردگی کہاں تئیں جیسے بجھا[2] دیا

(۱۰)

بولا چچا کہ دل میں جو کرتا ہوں میں تمیز　　پاتا ہوں اپنے بیٹوں سے بھی تیرے تئیں عزیز
تیرے عوض جہاں کو اگر دیں تو کیا ہے چیز　　ہونے نہ تیرے بھائی کے غم کو بھلا دیا

---

۱ عرصۂ محشر　۲ چراغ

(۱۱)

دل تنگ دیکھتا ہوں تو لاچار میں تجھے ورنہ نہ دیکھوں بیکس و بے یار میں تجھے
اس آگ میں نہ جانے دوں زنہار میں تجھے مت جان کو جلا تجھے کٹے[۱] لگا دیا

(۱۲)

اس ماجرے کو گرچہ دیا اس جواں نے طول پر بات اس کی کوئی چچا نے نہ کی قبول
جب دیکھا مدعا نہیں ہوتا ہے یوں حصول بازو سے کھول باپ کا اپنے لکھا' دیا

(۱۳)

پوچھا کہ کیا ہے یہ تو کہا کیجئے نظر لکھ دے گیا تھا مجھ کو دمِ مرگ یہ پدر
پڑھتے ہی اسکے خون ہوا غم سے سب جگر مغموم ہو کے فرقِ مبارک جھکا دیا

(۱۴)

اس میں لکھا تھا یہ کہ سُن لے مایۂ حیات میں تو مُوا پہ یاد رہے تجھ کو میری بات
ایسا نہ کیجیو کہ کہے سُن کے کائنات ابنِ حسنؑ نے ساتھ چچا کا عبث دیا

(۱۵)

القصہ پڑھ کے ساتھ بھتیجے کے تئیں لیا اہل حرم کو خیمہ میں جا ایک جا کیا
اک جامہ بیش قیمتی اپنا اُسے دیا رہ رہ نکاح بیٹی کا اس سے پڑھا دیا

(۱۶)

رسمیں ہنوز باقی تھیں جو آئی اک صدا کاٹے[۲] سیدو مگر نہیں تم میں کوئی رہا
حاضر[۳] برائے جنگ ہو قاسم جو اُٹھ چلا چلنے نے ایسے اُسکے سبھوں کو رُلا دیا

---

۱ ناجائز، طونہ پر ہاتھ لگ جانا۔ ۲ کہ اسے۔ ۳ تیار۔

(۱۷)

آیا دلہن سے حشر کا وعدہ جو درمیاں — کہنے لگی کہ ڈھونڈھوں تو واں پاؤں میں کہاں
بولا کہ پیش فاطمہ۔ بولی کہ کچھ نشاں — چاک آستیں کا ہاتھ اُٹھا کر دکھا دیا

(۱۸)

نکلا جو خیمہ گاہ سے یہ مستعدّ کار — اک ابر سامنے سے اُٹھا اسکے فتنہ بار
تیروں کی بارش اُس سے تھی یا تیغ آبدار — طوفاں ہوا کہ اس کو یکایک ڈبا دیا

(۱۹)

صَرفہ[1] کیا نہ شہ نے بھی پھر اپنی جان کا — سینہ کے تیئں سپر کیا تیغ و سناں کا
جو تاجِ سر تھا فرقِ شہانِ جہاں کا — اسطرح تو نے خاک میں اسکو ملا دیا

(۲۰)

پر بے کسانہ جی سے گیا ہے وہ بیوطن — یاور رفیق سب کے ہیں بے سر پڑے بدن
کوئی نہیں رہا ہو کہ دیوے اُسے کفن — سب دار و دستہ کاٹ کے اسکا گرا دیا

(۲۱)

کیا کہیں تھا اہلِ شام کو اس آفتاب سے — کرتے رہے مضائقہ اک چلّو آب سے
آخر کیا حجاب نہ کچھ بوتراب[2] سے — سر کاٹ کر غریب کا نیزے چڑھا دیا

---

[1] فکر۔ پروا۔ [2] مٹی کا باپ۔ حضرت علیؑ کم سنی میں ایک دن مٹی سے کھیل رہے تھے کہ رسول خداؐ ادھر سے گزرے انھوں نے انھیں ابوتراب کہہ کر مخاطب کیا۔ اسی دن سے یہ حضرت علیؑ کا لقب ہو گیا۔

—— (۲۲) ——

مظلوم سیدوں کا نہ ثابت ہوا گناہ آلِ نبیؐ کا پاس کیا خوب۔ واہ واہ!
مارا جہاں وہاں نہ ملا قطرہ آب آہ! لوہو سے ان پیاسوں کے دریا بہا دیا

—— (۲۳) ——

ناموسِ خاندانِ نبوت گئی بباد گھر بار لوٹ لے گئے اعدائے بدنہاد
درماندگاں[1] پہ حد سے تعدی[2] ہوئی زیاد ان بیکسوں کا وائے رے انصاف کیا دیا

—— (۲۴) ——

احوالِ عابدینؑ سے کریں ہم سو کیا مقال آگے ہی تھا بدن کا مرض سے تباہ حال
قیدی ہو راہ جاتے ہوا اور پائمال ناموس کی خرابی نے دونا سکھا دیا

—— (۲۵) ——

غیرت[3] رہا تھا جو حرمِ کبریا کی گھر باشندگاں کو واں کے نکالا برہنہ سر
جاویں ادب سے جسکے کنے ہاتھ باندھ کر اس عابدینؑ کا ہاتھ رسن سے بندھا دیا

—— (۲۶) ——

ناچار جس طرح سے گیا وہ نہ کوئی جائے دیکھا جو کچھ کہ اُن نے کسو کو نہ حق دکھائے
آیا جو اس نزار[5] سے ایوب سے نہ آئے[6] ہر ہر قدم پہ ضعفِ بدن نے اڑا دیا

—— (۲۷) ——

کیا کچھ کیا نہ تو نے فلک اسکے باب میں زنداں میں اہلبیت رہے پیچ و تاب میں
بیٹی نے اسکی دیکھا اُسے واں جو خواب میں اس واقعہ[7] کی دھوم نے دشمن جگا دیا

---

۱ جو پیچھے رہ گئے ۲ ظلم بیجا ۳ جو گھر غیرت حرم کبریا رہا تھا ۴ اشارہ ہے حضرت عابدؑ کی طرف ۵ نہ ہو سکے ۶ بلند ۷ واقعہ یعنی خواب۔

(۲۸)

شورش کی وجہ سُن کے پڑا اپنے دل میں مان اُٹھ بیٹھ روسیاہ نے سوتے سے اس ہی آن
رکھ کر سر بریدہ کو بندھوایا ایک خوان سربستہ پھر وہ خوان اُسے واں منگا دیا

(۲۹)

کھولا جو خوان کو تو ہر اک نیم جاں ہوئی از بسکہ گرم نالہ و آہ و فغاں ہوئی
چلائی بیٹی ایسی کہ محشر عیاں ہوئی جی کو غم پدر میں پھر اس نے کھپا دیا

(۳۰)

کیا چال تھی سپہر جو یہ اختیار کی بنیاد کھود ڈالی حرم کے جدار[۱] کی
کچھ فکر ہے تجھے بھی سر انجام کار کی ظالم کسے بگاڑ کے کس کو بنا دیا

(۳۱)

گھر پر علیؑ کے ایسی مصیبت تھی جب پڑی ہر پردگی نکل کے ہوئی بے ردا کھڑی
کیدھر تھے تیرے دیدۂ مہر و مہ اُس گھڑی مل کر زمیں سے تو نے نہ انکو چھپا دیا

(۳۲)

اس کم سپہ کو خصم[۲] سے آخر لڑا رکھا لاشے کو اُس کے خاک میں بے سر پڑا رکھا
سقفِ سپہرِ[۳] منقش اپنی کو تو نے کھڑا رکھا گھر اہلبیتِ ختمِ رسُل کا بٹھا دیا

(۳۳)

خس کیلئے کوئی بھی اُلٹ دیوے ہے پہاڑ کس جا خزف[۴] کے واسطے دیں ہیں گھر کو گاڑ
گلبن کو بہرِ خار کہاں ڈالیں ہیں اکھاڑ ویرانہ گھر علی کا کیا۔ کعبہ ڈھا دیا

---

[۱] دیوار [۲] دشمن [۳] مراد آسمان [۴] پتھر کا ٹکڑا۔ کنکری۔

(۳۴)

بس میر اب تو خامۂ آتش زباں کو تھام — سوزِ جگر سے تیرے تو جلتے ہیں دل تمام
مانندِ شمعِ کشتہ خموشی سے کر کلام — کیا کہیئے ہا گردشِ فلکی نے رِجھا[۱] دیا

سولھواں مرثیہ ۱۶

(۱)

چاروں طرف ہے شور و فغاں وا مصیبتا — ماتم کدہ ہوا ہے جہاں وا مصیبتا
مردوں کی جنس سینہ زناں وا مصیبتا — نسواں تمام مویہ کُناں وا مصیبتا

(۲)

کیا واردات ہے کہ عزا چاروں اُور ہے — کیا سانحہ ہوا ہے کہ عالم میں شور ہے
کیسا ہے غم کہ سینہ زنی سب میں زور ہے — چہروں پہ ہیں سبھوں کے نشاں وا مصیبتا

(۳)

دیکھے ہیں تار و تیرہ زماں و زمن کے تئیں — شہری گئے ہیں نعرہ زناں سارے بن کے تئیں
مُردوں کے ہاتھ پہونچے ہیں جیب کفن کے تئیں — زندہ ہوئے ہیں جامہ دراں وا مصیبتا

(۴)

اندھیر شامیوں کے ستم سے پڑا ہوا — سر ہے سناں پہ شاہ کا تن ہے پڑا ہوا
خورشید ایک نیزے پر آکر کھڑا ہوا — محشر ہوئی جہاں میں عیاں وا مصیبتا

۱؎ مائل کر دیا ۔ متوجہ کر دیا۔

(۵)

کیا یاں سے حسرتیں گیا دل میں لئے امام　　قاسم کا کام کیونکر ہوا دفعتاً تمام
کس منھ سے کوئی اصغر ناداں کا لیوے نام　　اکبر گیا ہے کیسا جواں وامصیبتا

(۶)

ناگاہ اس چمن میں چلی ایسی باد سخت　　جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیے جن نے سب درخت
نوبادگاں[۱] نے بار کیا ہے سفر کا رخت[۲]　　غنچہ[۳] ہوئے گلوں کے دہاں وامصیبتا

(۷)

آ کر وطن سے ابن علی جان سے گیا　　اہل حرم پھرے ہیں بیاباں میں بے ردا
عابد چلا ہے ہاتھ بندھے سے وامحمدا　　زینبؑ ہے سر پہ خاک فشاں وامصیبتا

(۸)

بیچارے ہیں غریب ہیں۔ بے خانماں ہیں سب　　بے وارث اور بیکس و بے مہرباں ہیں سب
ہر گام گرم نالہ و آہ و فغاں ہیں سب　　نے گھر نہ در، نہ جا نہ مکاں، وامصیبتا

(۹)

مرتے حسین کے وہ زمانا نہیں رہا　　جو ہے سو مدعی[۴] ہے یگانا نہیں رہا
ناموس احمدی کو ٹھکانا نہیں رہا　　فریاد لے کے جائیں کہاں وامصیبتا

(۱۰)

بے سر پڑے ہیں حد نظر تک تمام تن　　کھینچے[۵] ہیں خاک و خوں میں جوانوں کے پیرہن
سب خوار و زار ریختنِ خوں سے ہے چمن　　کچھ اور ہو گیا ہے سماں وامصیبتا

۱؎ نئے درخت۔ ۲؎ سامان۔ ۳؎ یعنی ان کے منھ بند ہو گئے۔ ۴؎ دشمن (محاورے میں) ۵؎ یعنی اُتارے ہیں۔ پیراہن کشیدن کا ترجمہ

(۱۱)

زہرا نے دودھ جسکے تئیں مہر[۱] سے دیا
آغوش میں نبی نے جسے پرورش کیا
حیدر نے جس کو سر پہ رکھا جب تلک جیا
سر اُس کا اور نوکِ سناں وامصیبتا

(۱۲)

جس کے لئے سپہر رہا برسوں چرخ زن
ہو سر کہیں نواسے کا اس کے کہیں بدن
جس کے لئے نمود میں آیا زمیں زمن
پھر خاک میں ہوا نہ نہاں وامصیبتا

(۱۳)

بھائی بھتیجے آ گئے تیغِ ستم تلے
ہر چند سر ہے نیزے پہ خورشید سا ولے
خنجر رکھا گیا شہِ مظلوم کے گلے
تاریک ہے زمین و زماں وامصیبتا

(۱۴)

بیٹا جو اک رہا ہے بہت ناتواں ہے وہ
دُبلے پنے سے جسم کے اپنے بجاں ہے وہ
کرتا تو ہے نمود[۲] سی لیکن کہاں ہے وہ
تپ سے کہیں ہیں چل تو دواں وامصیبتا

(۱۵)

ہاتھوں سے اسکے کچھ نہیں بن آتی کیا کرے
جیتا رہے تو ضعف میں کیونکر یہ دکھ بھرے
ناموس چھوڑ دشت میں کسطرح سے مرے
گردن میں طوق ایک گراں وامصیبتا

(۱۶)

کہتے ہیں اُس سے باپ کا مُنھ سے نہ نام لے
کس طرح اس سلوک کا وہ انتقام لے
باندھے ہیں ہاتھ، دل کے تئیں تا نہ تھام لے
اُس کو نہ زور کچھ نہ تواں وامصیبتا

۱؎ محبت۔ مامتا۔ ۲؎ شان و شوکت ظاہر ہوتی ہے۔

(۶)

دولھا گدازاں[۱] ہوئے نہ کس مس[۲] نے کوئی غمخوار۔ نے کوئی مونس

دولھن جلے تھی جوں شمعِ مجلس ایسی لگن[۳] تھی یہ کب دھرائی

(۷)

دُلھن کو روتی لاکر بٹھایا دولھا بھی کُڑھتا پاس اسکے آیا

مرآت[۴] و مصحف[۵] لاکر دکھایا اکدم بھی فرصت ہرگز نہ پائی

(۸)

چاہا مبارز[۶] دشمن نے آکر غیرت سے طاقت مطلق نہ لاکر

اُٹھتے ہی واں سے جی کو جلاکر سر پر اُٹھائی ساری لڑائی

(۹)

اک زخم سازخم آخر اُٹھایا دیکھا چچا نے طاقت نہ لایا

گھوڑے سے گرتے چھاتی لگایا نازک وہ پیکر بے جان پائی

(۱۰)

مرجہ گیا وہ جا الضرورت[۷] کچھ اور ہو گئی مجلس کی صورت

بڑھتی چلی پھر دل کی کدورت اسپر کہ گھر کی سب تھی صفائی

---

[۱] غم سے گھلتا ہوا۔ [۲] طرح۔ [۳] ہندستان میں کسی تقریب کے لئے دن تاریخ اور وقت کسی جوتشی سے مقرر کراتے ہیں۔ اس کو لگن دھرانا کہتے ہیں۔ [۴] آئینہ۔ [۵] قرآن۔ نکاح ہونے کے بعد دولھا دلھن کو ایک جگہ بٹھا کر چادر اُڑھا دیتے ہیں اور اسی کے اندر آئینہ اور قرآن رکھ دیتے ہیں۔ دولھن دولھا کی نگاہیں پہلے پہل آئینہ ہی میں چار ہوتی ہیں جس کے بعد وہ قرآن پر نظر ڈال لیتے ہیں تاکہ شگون اچھا رہے۔ اس رسم کو آرسی مصحف کہتے ہیں۔ [۶] مبارز طلبی۔ جنگ میں ایک طرف کا لڑنے والا آکر مقابل والوں میں سے کسی کو لڑنے کے لئے بلائے۔ [۷] ضرورت کی جگہ پر جس جگہ پر مرنا ضروری تھا۔

(۱۱)

آرایش بزم کیا کہیے بارے — آہوں کے شعلے گل ریز سارے
گرتے تھے آنسو جیسے ستارے — چھوٹے تھی منھ پر سب کے ہوائی[1]

(۱۲)

کس پردگی کے معجر بہ سر تھا — سینہ میں کس کے اُس دم جگر تھا
بزم عروسی ماتم کا گھر تھا — اچرج[2] ہوئی یہ کد خدائی

(۱۳)

القصہ اکثر بیکس بچارے — جور و ستم سے دشمن نے مارے
باقی جو ہیں اب کتنے دکھیارے — پانی کی اُن کو ہے گی منائی

(۱۴)

اصغرؑ پیاسا مرنے لگا جب — مردم حرم کے گریاں ہوئے سب
لاچار ہو شہ بھی آپ ہی اُٹھا تب — اک چلّو پانی کرنے گدائی

(۱۵)

لائے سو اس کو خوں میں ڈبو کر — ایسے گہر کو یوں بیٹھے کھو کر
رکھا جو سب میں گودی سے رو کر — چھوٹے بڑے کی چھاتی بھر آئی

(۱۶)

گردن کٹائی اکبرؑ نے جب کی[3] — تر چشم ہے گی ہر خشک لب کی
عالم سیہ ہے آنکھوں میں سب کی — دیتا نہیں کچھ اُس بن دکھائی

---

[1] منھ پر ہوائی یا ہوائیاں چھٹنا محاورہ ہے یعنی رنج یا خوف سے رنگ فق ہو جانا [2] عجیب۔ حیرت ناک [3] جب کہ۔

(۱۷)

اس واقعہ نے شہ کو کھپایا　　آتش نے غم کی سینہ جلایا
خود کو بخود پھر ہرگز نہ پایا　　دشوار کاٹی اُس کی جدائی

(۱۸)

افراطِ غم سے بس تنگ آکر　　جینے سے بیٹھا دل کو اُٹھاکر
وعدہ[۱] پر آخر میداں میں جاکر　　خنجر کے کارن ضربت اُٹھائی

(۱۹)

واماندگاں سب کہتے تھے رو رو　　وارث نہیں اب جز عابدینؑ سو
بیمار ایسا، دیکھیں تو کیا ہو　　پھر لاعلاجی، پھر بے دوائی

(۲۰)

سردے کے شہ تو چھوٹا الم سے　　عزت تھی ساری اسکے ہی دم سے
وابستہ خواری اب ہے گی ہم سے　　موت اُسکی آئی، ہم کو نہ آئی

(۲۱)

تھی چشم[۲] ہم کو جن سے وفا کی　　آخر اُنھوں نے ایسی جفا کی
یارب! برائی ہم نے وہ کیا کی؟　　کرتی نہیں جو اُمت بھلائی

(۲۲)

[۳] اپنا کیا تھا حیدرؑ نے جن کو　　جانی خصومت ہم سے ہے وِس[۴] کو
ہم غمزدہ اب دیں دوش[۵] کس کو　　کی آشنا نے یہ بے وفائی

---

[۱] امام حسینؑ نے امت پر جان نثار کرنے کا وعدہ بچپن میں رسولؐ سے کیا تھا۔ [۲] اُمید۔ توقع [۳] حضرت علیؑ نے جنابِ فاطمہؑ کے انتقال کے بعد شمر کی بہن سے شادی کی تھی [۴] اُس کو دہلی، آگرہ اور اطراف کے عوام وِس ہی بولتے ہیں۔ [۵] الزام۔

(۲۳)

چھوڑا مدینہ جس کے بھروسے
نیکی نہ دیکھی اُس زشت خو سے
مارے گئے اُس مُردہ شو[1] سے
بیٹے۔ بھتیجے۔ خویش اور بھائی

(۲۴)

دنیا کی خاطر دیں اُن نے چھوڑا
ابنِ علیؑ سے سر رشتہ توڑا
یک بار اِدھر سے مُنھ اپنا موڑا
تھا آشنا سو نکلا دغائی

(۲۵)

تالیف[2] جس[3] کی کی تھی نبیؐ نے
ایذا اُٹھائی اس سے علیؑ نے
بیٹے[4] سے اُس کے اب ہم سبھی نے
یہ آگ گھر کو اُن نے لگائی

(۲۶)

جانوں سے مارا خیمہ جلایا
پانی کے بدلے لوہو چٹایا
سر اس کے اوپر کٹوا منگایا
ناموس ساری شہ کی لٹائی

(۲۷)

غربت میں مارا لا کر وطن سے
محروم رکھا تس پر کفن سے
ہاتھ اک پسر کے باندھے رسن سے
کی ناتواں پر زور آزمائی

(۲۸)

اہلِ حرم کو لوٹا۔ لٹایا
ہر پردگی کو سب میں پھرایا
اونٹوں کے اوپر ظاہر[5] بٹھایا
خوش[6] کی ہماری یہ بے ردائی

---

۱ غسال۔ کلمۂ تحقیر ۲ دلداری۔ دوستی ۳ امیر معاویہ ۴ یزید ۵ بے پردہ ۶ اچھی کی۔ طنز۔

(۲۹)

اب شام کو ہم جاتے ہیں سارے　　شب کر دکھایا دن کو ہمارے
کیا پیش آوے واں پہونچے[1] بارے　　طالع میں اپنے ہے نارسائی

(۳۰)

جاتے تھے کہتے یوں وے گرفتار　　نے کوئی ہمدم۔ نے کوئی غمخوار
آگے سبھوں کے عابدؑ ہو بیمار　　چوٹ ان نے دل پر ہر گام کھائی

(۳۱)

پامال کریئے اُس کام جاں کو　　دیکھے ریاست سگ زادگاں کو
چپ میرؔ نالاں رکھ[2] لے زباں کو　　کہیے سو کیا اب یہ بھی خدائی[3]

---

۱ پہونچ کر ۲ روک لے۔ ۳ خلا کی طرف کی بات یعنی خدا کی رضا اس کی مشیت۔

۱۸ اٹھارھواں مرثیہ

(۱)

نسیم غم سے ہے آتش بجاں امام حسینؑ — دم ایک اور ہے اب میہماں امام حسینؑ
چراغ آخرِ شب ہے گایاں امام حسینؑ — سحر نمود ہوئی پھر کہاں امام حسینؑ

(۲)

فلک نکالی نئی گردش ابکی اے خونخوار — کہ قتل ہوتے ہیں ابنِ علیؑ کے خویش و تبار[۱]
ہوئی ہے اول مہ میں کچھ اور لیل و نہار — گھٹے ہے بدر نمط[۲] ہر زماں امام حسینؑ

(۳)

سفر مدینہ سے گویا کہ تھا بلا کا سرا[۳] — قدم جو راہ میں رکھا تو ہائے پھر نہ پھرا
ملا نہ قطرۂ آب اور لہو ہو اُس کا گرا — ہوا تھا کس گھڑی واں سے رواں امام حسینؑ

(۴)

نبیؐ نے برسوں تئیں جس کا ناز اُٹھایا تھا — علیؑ نے آنکھوں پہ مدت جسے بٹھایا تھا
جسے کہ مہد[۴] میں جبرئیل نے جھلایا تھا — وہ خاک و خون میں اب ہے طپاں[۵] امام حسینؑ

(۵)

مصیبت اسکے تئیں طرفہ پیش آئی ہے — اکیلا دشت میں ہے، پیاس ہے، لڑائی ہے
نہ کوئی یار ہے، نے خویش ہے نہ بھائی ہے — رہا ہے بیکس و بے مہرباں امام حسینؑ

۱۔ خاندان۔ گھر والے ۲۔ مانند ۳۔ ابتدا ۴۔ جھولا۔ گہوارہ ۵۔ تڑپتا ہوا۔

(۶)

تمام شکل نبیؐ ہی کی تھا علی اکبرؑ — اسی کو دیکھتے مشتاق روئے پیغمبرؐ
ہوا برابرِ خاکِ سیہ وہ گوہرِ تر — دیا ہے ہاتھ سے کیسا جواں امام حسینؑ

(۷)

فرات! خاک بسر اُسکے کہ جس کا ایسا آب — کہ جس سے موجیں اُٹھیں باہزار پیچ و تاب
تمام بادیہ کے وحش[1] و طیر[2] ہوں سیراب — دکھاوے تشنہ لبی سے زباں امام حسینؑ

(۸)

بھتیجا[3] یوسفِ ثانی تھا جس کو کھو بیٹھا — بغل میں اصغرؑ ناداں کو لا کے رو بیٹھا
حشم[4] خدم[5] سب ہی سے ناامید ہو بیٹھا — محلِ رحم[6] تھا بے خانماں امام حسینؑ

(۹)

پیاس حد سے زیادہ تھی ہائے دم نہ لیا — تمام آب کا خنجر کی ایک گھونٹ کیا
رضا میں مر ہی گیا آنکھ مونڈ کر نہ جیا — شہیدِ تیغِ ستم پیشگاں[7] امام حسینؑ

(۱۰)

کوئی نہ داد گر و دادرس جو دیوے داد — ستم اس ایک پہ واں ہو رہا تھا حد سے زیاد
بلند چاروں طرف سے ہوئی تھی تیغِ عناد — تلف دریغ ہوا درمیاں امام حسینؑ

---

۱ چرند۔ ۲ پرند۔ ۳ جناب قاسم ۴ شان و شوکت ۵ اسم جمع خادم کا۔ نوکر چاکر ۶ قابلِ رحم۔ خانماں کی رعایت سے محل کا صرف پُرلطف ہے ۷ ظلم کرنے والے۔ ایسی فارسی ترکیبیں میر کے بہت بعد تک رائج رہی ہیں۔ وفا خوردگاں غالب نے نظم کیا ہے۔

(۱۱)

ہوا جو قتل سرِ کم سپاہِ دیں مہجور
جگر کے ٹکڑے پڑے لعل پارہ سے تھے حضور[2][3]
پڑا تھا خاک کے اوپر نپٹ ہی بے دستور[1]
گیا ہے دیکھ کے کیسا سماں امام حسینؑ

(۱۲)

کہوں سو شام کے لوگوں کی کیا مروت کو
چلے ہیں قبلہ کو رُو کر کے سب عبادت کو
پھر ان کی آنکھ چھپانے کو یا قساوت کو
ہوا ہے ذبح ابھی ناتواں امام حسینؑ

(۱۳)

عجب عبادتِ حق پر تھے مستعد ناساز
نماز کرنے[3] کو دوڑے تھے سب یہ کیسی نماز
شتاب قتل نبی زادہ میں کر غماز
پڑا تھا خاک میں خوں میں عیاں امام حسینؑ

(۱۴)

سرِ آفتاب کا دیں کے کیا روانۂ شام
پھرا کی مضطرب الحال روحِ خیرِ انام
کفن بغیر رکھی خاک و خوں میں لاشِ امام
پڑا تھا بے سر و ساماں جہاں امام حسینؑ

(۱۵)

جھڑے۔ کٹے یہ گل و[4] بوٹے سارے دل افروز
گیا تو جان سے پر خوب سیر کی دس روز
پسر برادر و قاسم۔ دلوں میں جن کے سوز
چمن میں اپنے بہار و خزاں امام حسینؑ

---

۱ بے قاعدہ ۲ سامنے ۳ نماز کرنے کا لفظی ترجمہ شکرانے کی نماز پڑھنے دوڑے۔ اُس عہد میں یہ فعل عام طور پر استعمال ہوتا تھا۔ میر شیر علی افسوس کا شعر ہے: افسوس جب سے دیکھا اس بت کو تب سے میں بھی ؍ کرنے لگا پرستش چھوڑا نماز کرنا۔
۴ ہندی اور فارسی لفظ کو 'و' سے ملا کر میر نے زبان کی وسعت اور ترقی کا اشارہ کیا تھا جسے بعد والوں نے متروک قرار دے رکھا ہے۔

(۱۶)

کہیں[۱] تھے عترتِ احمدؐ کے دل جلے رو رو　　چراغ اب نہ رہا گھر میں عابدیںؑ بن سو
وہ قیدی شام کو جاتا ہے دیکھیے کیا ہو　　گیا ہے ہم سے تو دامن فشاں امام حسینؑ

(۱۷)

ہوا جو لاشۂ مظلوم پر سے ہو کے گزار　　قیامت ایک ہوئی عترت نبیؐ سے دوچار
پکارا دیکھتے ہی رو کے عابدِ بیمار　　رہا تھا ایک میں تیر انشان امام حسینؑ

(۱۸)

عناں ہے ابلقِ ایام کی فلک کے ہاتھ　　کہوں سو کیا کہوں بنتی نہیں ہے کوئی بات
یہ کاش جانِ سبک کھوئی ہوتی تیرے ساتھ　　گلے میں طوق ہے میرے گراں امام حسینؑ

(۱۹)

مژہ میں لختِ جگر اپنے میں پروتا ہوں　　کباب آتشِ غیرت کے بیچ ہوتا ہوں
حرم کے لوگوں کو میں دیکھ دیکھ روتا ہوں　　پھر اس پہ ان کی یہ آہ و فغاں امام حسینؑ

(۲۰)

پڑا جلے ہے ترا لاشہ دھوپ میں مظلوم　　اسیر کرکے مجھے لے چلی ہے قوم شوم
کفن کی فکر جو کر جاؤں تیری سو معلوم　　ہو آفتاب ترا سایہ بان[۲] امام حسینؑ

۱؎ کہتے تھے۔ ۲؎ سائبان کے معنی دروازے پر سایہ کرنے والی چیز کے ہو گئے ہیں لیکن میر نے یہاں اس کے اصلی معنوں میں لیا ہے جو سایہ اور بان سے مرکب ہے جیسے باغبان، ساربان۔ دربان۔

(۲۱)

خدا کو سونپ کے اُس سکینہؑ کو وہ بے دل　　گیا یہ کہہ کے کہ بابا ہے سخت یہ مشکل
جرس کے طرح میں نالاں ہوں ساتھ تا منزل　　گیا ہے چھوڑ کے تو کارواں امام حسینؑ

(۲۲)

فلک نے کی شعد اب بھی ان غریبوں کی　　خراب ہوتی نہ مٹی جو بے نصیبوں کی
تسلی ہوتی رہی باقی ناشکیبوں کی　　ہوا نہ زیر زمیں بھی نہاں امام حسینؑ

(۲۳)

خبر بھی ہے تجھے کس کا لہو پیا ہے تیں[۱]　　چراغِ خانۂ حیدرؑ بجھا دیا ہے تیں
کرے گا نفع نہ محشر کو جو کیا ہے تیں　　گیا ہے کھینچ کے جی کا زیاں امام حسینؑ

(۲۴)

قیامت ہو کے نمودار ہو گی محشر کو　　سخن[۲] میں لاویں گے جب اس جوان بے سر کو
عجب نہیں ہے جو بیتابی آوے داور کو　　کرے گا گریہ مصیبت بیاں امام حسینؑ

(۲۵)

تمہارے لطف سے خاطر میں میر کی ہے نہاں
کہ روزِ حشر کو ہووے رکاب ہی میں رواں
صف[۳] نعالِ جوانانِ کربلا ہو جہاں
ملے اُسے بھی اُسی جا مکاں امام حسینؑ

---

[۱] تیں۔ تو نے۔ [۲] جب امام حسینؑ کا ذکر ہو گا۔ [۳] نعال۔ جوتے۔ صف نعال۔ جوتوں کی صف۔ آخر میں جہاں جوتے رکھے جائیں۔

۱۹
انیسواں مرثیہ

(۱)

کہانی رات تھی آلِ نبیؐ کی مرادِ جانِ زہرا دل جلی کی
مصیبت دید گی ابنِ علیؑ کی گئی سُن نیند یکباری سبھی کی

(۲)

پدر شاہِ ولا اور اس کا نانا محمدؐ جس کو دو عالم نے جانا
فلک نے خاک کو یک عمر چھانا تب اس محبوب نے جلوہ گری کی

(۳)

کہ اک تھا بادشا مغرب زمیں میں عَلَم[1] تھا اہلِ ایماں و یقیں میں
امامت تھی اسے احمدؐ کے دیں میں در اس کا سجدہ گہ تھی ہر ولی کی

(۴)

تمامی جود تھا سب دستِ ہمت سراپا دل، ہمہ تن تھا مروت
سراسر جرأت و یک لخت غیرت دیا سر[2] پہ نہ اُن نے آشتی کی

(۵)

مزاج اس کا نہایت ہی کرا تھا سرِ رہ طور پر اپنے کھڑا تھا
گزارا کارواں اپنا پڑا تھا نگہ اُن نے اُدھر اک سرسری کی

---

[1] ممتاز - مشہور - [2] صلہ

(۶)

خیال اُسکو کیا ہر اک نے مُفتری[۱] کہا سب نے اُسے خود رائے، خود سر
گلہ سُن کر کیا ان نے سخن سر[۲] کہ رسم اپنی نہیں کبر[۳] و منی کی

(۷)

نہ اسکو کبر سمجھو کبریا[۴] ہے ہمیں یہ مرتبہ حق نے دیا ہے
تکبر ترک ہم سب نے کیا ہے رہ و رسم اپنے ہاں ہے بیکسی کی

(۸)

جو ہوں پامال تو ہم دم نہ ماریں ہمارے جسم ہیں گویا مزاریں[۵،۶]
ہم اپنی قدر کو کیونکر بساریں[۷] کہ ہے خاک اصل طینت آدمی کی

(۹)

ولے وہ مالکِ ملکِ حقیقت رہا تھا بیٹھ کر ترکِ خلافت
اُبًا جدًّا جنھوں کی تھی خصومت انھوں نے ابتدا پھر بیہتی[۸] کی

(۱۰)

یہ شہ تھا کم سپہ، ساتھ اُن کے لشکر یہ بیکس اور وہ مغرور و مُفتر
اُدھر اسباب ظاہر جمع یکسر فقط اک اس کے[۹] ہمت شہی کی

---

۱ افترا کرنے والا، جھوٹا ۲ سخن سر کردن۔ بات کہنا۔ ۳ غرور ۴ بزرگی، عظمت ۵ شیکسپیر کے لغت کے اعتبار سے مزار ۶ اس عہد میں مونث اور مذکر دونوں استعمال ہوتا تھا۔ ۷ بھولیں ۸ کمینہ پن، چھچھوراپن ۹ اونچا پن۔

(۱۱)

لگے آزار پر پہونچانے آزار — لے آئے بیچ میں بیعت کی گفتار
کھنچی پہ خاش[۱] تو آخر کو تکرار — نہ اک گرہ نے اس کی ہمرہی کی

(۱۲)

غم و رنج و الم جب دیکھے وافر — کہا مجھکو نہ دیں گے چین کافر
ہوا آخر مدینہ سے مسافر — برائے خواہشِ دل مدعی کی

(۱۳)

کریاں جاتا نہ تھا اسکا ستم بیش — تدارک بھی ہوا جاتا تھا کم بیش
اگرچہ مرگِ حیدر سے تھا دل ریش — حسنؑ کے غم نے کیا کم کوتہی کی

(۱۴)

وطن مالوف کو القصہ چھوڑا — نبیؐ کی گور سے ناچار توڑا
زمانہ نے یکایک مونہ کو موڑا — نہ یکدم آسماں نے ہمدمی کی

(۱۵)

چلا راضی رضائے مالک اوپر — عمل کر "کلُّ شئیٍ ہالکٌ"[۲] اوپر
کہا پھر رہ میں جو ہو سالک اوپر — خدا سے چشم رکھے یاوری کی

(۱۶)

پس از طےِ منازل کوفہ آیا — بھروسہ جس کا تھا خوب آزمایا
اُسے دشمن سے بھی کچھ آگے پایا — مروت دیکھ لی سب اُس دنی[۳] کی

---

۱ لڑائی۔ ۲ سب چیزیں مٹ جانے والی ہیں۔ ۳ کمینہ

(۱۷)

ہُوا دشتِ بلا کو جب روانہ پھرا حد سے زیادہ پھر زمانہ
ملا اُسکو وہاں پانی نہ دانہ فلک نے اوسکی مہمانی بڑی کی

(۱۸)

مخالف جوق جوق اودھر سے دھائے سناں و تیغ و خنجر لے کے آئے
عزیزوں نے گلے اپنے کٹائے نہ پوچھو شامیوں نے جو بدی کی

(۱۹)

بھتیجے ۔ بھائی ۔ بیٹے سارے مارے جلائے آگ دیکر خیمے سارے
موئے ناچار ہو اکثر بچارے بہت اوقات نے اوس سے کمی[1] کی

(۲۰)

موئے اکبرؑ ہم اصغرؑ دونو بھائی گیا قاسمؑ تھی جسکی کدخدائی
مروت ظالموں سے بن نہ آئی تسلی بھی نہ آکر ٹک کبھی کی

(۲۱)

گلے اصغرؑ کو بہتیرا لگایا لیے خیمے تلک ہاتھوں میں آیا
دلے اسکو نہ جینے والا پایا بہت دلجوئی کی اُس رفتنی[2] کی

(۲۲)

پھر اس مظلوم کو بھی مار ڈالا کیا سر معرکہ میں نیزہ بالا
نہ چھوڑا اک کفن کا دینے والا رہا عابدؑ سو اُس سے کیا بھلی[3] کی

[1] برا سلوک کیا ۔ محاورہ ہے [2] جانے والا ۔ مراد مرنے والا [3] بھلائی

(۲۳)

نکلا کانپتا اوس ناتواں کو
چلے لے شام لوٹے کارواں کو
کیا غارت سب اسباب زناں کو
ہر اک واحد کی خواہش بے چادری کی

(۲۴)

نکالیں عورتیں بے روئیاں کر
نہ چھوڑا پردگی کے سر پہ معجر
بٹھائیں اشتروں پر ستم کے اوپر
قطار اونٹوں کی رستے پر کھڑی کی

(۲۵)

زمام اونٹوں کی لیکر ہاتھ میں دی
مراعات اسکی بیماری کی یہ کی
چلا چل کہتے کہتے جان بھی لی
پدر مردہ کی کیا کیا دلبری کی

(۲۶)

وہ کہتا تھا پدر نے موںھ جو پھیرا
سبھوں نے مجھ کو کھینچا اور گھیرا
نہ نکلا آہ! مرغ روح میرا
کہوں کس سے اس اپنی بے پری کی

(۲۷)

تمامی وارو دستہ کٹ کے مرنا
سر آگے باپ کا نیزے پہ دھرنا
حرم کے لوگ بے ناموس کرنا
وہی جانے یہ جن نے غم کشی کی

(۲۸)

بس اب تو میرؔ رکھ لے ٹک زباں کو
یہیں سے چھوڑ دے اس داستاں کو
رلاؤ گے کہاں تک مردماں کو
نہیں طاقت رہی مژگاں تری کی

۱؎ کیا اچھی۔ طنزاً استعمال کیا ہے ۲؎ بٹھا دی ۳؎ بے مروتی ۴؎ اصطلاحاً اس چادر کو کہتے ہیں جو دلہن اوڑھتی ہے لفظی معنی ہیں اوڑھنے والی چیز۔ دوپٹہ۔ چادر وغیرہ ۵؎ اشارہ ہے حضرت عابد کی طرف۔

بیسواں مرثیہ

(۱)

کیا گردوں نے فتنہ کو اشارا بلا کو کربلا میں لا اُتارا
ہوا آخر طلب سیّد[1] ہمارا لُٹا ناموس[2] پیغمبر کا سارا

(۲)

مروت شامیوں سے بن نہ آئی ہوئی یہ چشم و روئے بے وفائی
ستم کی تیغ سب نے آزمائی حسینؑ ابن علیؑ کو جی سے مارا

(۳)

رہا جو عابدیںؑ سو زار و بیمار اُٹھانا یک قدم کا جس کو دشوار
بلا کا مبتلا غم کا گرفتار غریب و بیکس و بے یار و یارا

(۴)

خطاب[3] اس کا تھا ہر دم آسماں کو کہ ہم بے طالعوں[4] غم دیدگاں کو
دکھایا تو نے شہ[5] کر جہاں کو نگر رکھتے نہ تھے ہم سب ستارا؟

(۵)

فلک تو نے عجب چوپڑ[6] بچھائی سمجھ میں چال تیری کچھ نہ آئی
امام دیں نے جاں بازی لگائی مُوا لیکن نہ اپنے جی کو ہارا

---

[1] سردار [2] اہلبیتؑ [3] آسماں کو اس کا خطاب تھا یعنی آسمان سے یہ کہتا تھا [4] بدقسمتوں [5] تیری
[6] چوسر کی بساط جس کے چار کونے ہوتے ہیں چار سمتوں کی رعایت سے یہاں دنیا سے استعارہ کیا ہے۔

(۶)

چلا وہ قافلہ لوٹا ہوا جب — اُنھوں کا پیش رَو عابدؑ جسے تب[1]
کوئی روتا، کسو کے نالہ بر لب — کسو کی زندگانی ناگوارا

(۷)

پڑی[2] راہ اس طرف اس کارواں کی — جہاں لاشیں پڑی تھیں کشتگاں کی
ہر اک نے خونچکاں، لبِ فغاں کی — ہوا آشوبِ محشر آشکارا

(۸)

کوئی رو رو کے زہراؑ[3] کو پکاری — کہ دیکھو خوار ہے اولاد ساری
نہیں لیتیں خبر جو تم ہماری — ہوا شاید جگر پتھر تمھارا

(۹)

کیا ہے چرخ نے ناشاد ہم کو — دیا[4] ہے اس طرح برباد ہم کو
نہیں کرتیں جو مطلق یاد ہم کو — مگر تم نے ہمیں دل سے بسارا[5]

(۱۰)

ضرورت ہے کہ ہو ٹک تم بھی آگہ — مصیبت پڑ گئی ہے ہم پہ ناگہ
ہمارا حال ہے رونے کی جاگہ[6] — کرے اُمت کھڑی ہو کر نظارا

---

[1] بخار۔ عام طور پر تپ ہی استعمال ہوتا ہے لیکن نحوی اعتبار سے دونوں صحیح ہیں۔ [2] یہ نمبر اُردوٗ میں شامل نہیں۔ [3] جناب فاطمہؑ (رسول کی بیٹی)۔ [4] فارسی محاورے برباد دادن کا ترجمہ۔ [5] بھلایا [6] جگہ کو اُس وقت جاگہ ہی بولتے اور لکھتے تھے۔

(۱۱)

جگر ہم سب کے اس غم سے پھٹے ہیں — شجر اس باغ کے سارے کٹے ہیں
گل و بوٹے بھی ماٹی میں اٹے ہیں — جفا کا ہر طرف چلتا ہے آرا

(۱۲)

نہیں بھائی بھتیجوں کا ٹھکانا
میسر سب کو آیا جی سے جانا
کسو کا تن ہے تیروں کا نشانا
کسو کا سر ہوا ہے چار پارا[2]

[1] فارسی اور اردو کے الفاظ کو میر 'و' سے ملانا جائز سمجھتے ہیں۔ [2] اردو میں یہ مرثیہ یہیں پر ختم ہے۔

اکیسواں۲۱ مرثیہ

(۱)

کرتا ہے یوں بیان سخن راں[1] کربلا | احوال زار شاہ و شہیدان کربلا
باآنکہ[2] تھا فرات پہ میدان کربلا | پیاسا ہوا ہلاک وہ مہمان کربلا

(۲)

انصاف کی نہ ایک نے کی چشم نیم باز | کھولے ستم کے ہاتھ زبانیں کیاں دراز
قتل امام مقصد و تیاری نماز | بد تر تھے کافروں سے مسلمان کربلا

(۳)

سیلاب تھا بلا کا ہر اک سمت گرم جوش | فریاد بیکساں کی طرف کم کسو کے گوش
آل نبی تمام ہوئے خوں سے سرخ پوش | صلوات بر حسینؑ و جوانان کربلا

(۴)

انواع جور مدعی ایجاد کر گئے | تخت و کلاہ احمدی برباد کر گئے
کیا تیرہ روز شامی بھی بیداد کر گئے | پایا زبون مور سلیمان کربلا

(۵)

یارب نہ تھا بہر تو اس وقت کوئی کیا | جب سر پہ اہل بیت کے تھی اس قدر جفا
ہوتا تو کوئی دیتا ہی سر کو تنک جھکا | تا لامکاں تھا شور غریبان کربلا

---

[1] راوی، بیان کرنے والا [2] باوجودیکہ

(۶)

نوکِ سناں پہ رکھ کے چلے لے سرِ امام
ناموس کے جو لوگ تھے بندے ہوئے تمام
ٹکڑے جگر کے ہوتے تھے کرتے تھے جب کلام
بے خانمان وہ جمع پریشانِ کربلا

(۷)

بیٹے بھتیجے اس کے جواں مارے سب پڑے
ہو ٹکڑے ٹکڑے سامنے بیکس بہت لڑے
فرصت نہ اتنی دی کہ کوئی خاک میں گڑے
پوشیدہ کیا ہے ظلم نمایانِ کربلا

(۸)

سر اس کا کاٹ کے نیزے کے اوپر رکھا گیا
لو بیڑہ پانی چڑھ کے جیوں کو ڈُبا گیا
ہر چند بوند پانی کی کوئی نہ پا گیا
لیکن خدا کا قہر تھا طوفانِ کربلا

(۹)

تھی عابدیں کے لب پہ شکایت یہ خونچکاں
کائے چرخ آہ کیونکہ نبھے گا یہ کارواں
یہ لب ہیں زیرِ بارِ الم میں ہوں ناتواں
طے کس طرح سے کریئے بیابانِ کربلا

(۱۰)

مشفق پدر تو رختِ سفر کر گیا ہے بار
بھائی کو اس سے آگے ہی تھی دشمنوں کی مار
ہوں میں برہنہ پا سو مرض سے نحیف و زار
پھر ہر قدم پہ خارِ مغیلانِ کربلا

(۱۱)

ہیں تودہ تودہ لاشوں چمن کی یہ خاک دھول
سب شگفتہ رو ہیں نگاہوں میں جیسے پھول
منہ دیکھ ان کے کہتے تھے صلواۃ بر رسول
گلزار تھی یہ وادیِ میدانِ کربلا

(۱۲)

اب سب ہی خاک و خوں میں وہی ہیں اٹے پڑے
اشجار نونہال ہیں سارے کٹے پڑے
دل ہیں فگار سینے ہیں سب کے پھٹے پڑے
مسلخ[1] سے کم نہیں یہ گلستانِ کربلا

(۱۳)

جل جل کے ایک ایک سے اسکا تھا یہ خطاب
کاے قوم بس بہت ہوئے اب کم کرو عذاب
پہلو سے میرے ہے جگر دوست بھی کباب
رکھ ہاتھ دیکھ سینۂ بریانِ کربلا

(۱۴)

یہ آگے جانتے نہ تھے دیکھیں گے یہ ستم
خونِ پدر گرے گا زمیں پر کریں گے دم
اندوہ و درد و رنج و الم اب ہیں اور ہم
خرد و کلاں ہیں کشتۂ احسانِ کربلا

(۱۵)

موقوف غم نہ ہو گا یہ جب تک کہ ہوں گا میں
مدت تلک مصیبتیں اپنی کہوں گا میں
جیتا رہوں گا جب تئیں روتا رہوں گا میں
اب تھم چکے یہ دیدۂ گریانِ کربلا

(۱۶)

زینبؑ کے لب سے حرف نکلتے تھے شکوہ ناک
آشفتہ ہو وہ سر پہ کھڑی ڈالتی تھی خاک
کہتی تھی تا سپہر نگر اے خدائے پاک
جاتی نہیں یہ نالہ و افغانِ کربلا

(۱۷)

شاید غبار رکھتی ہیں چشمانِ مہر و ماہ
احوال پر ہمارے نہیں مطلقاً نگاہ
پردہ رہے جو گر پڑے گردونِ روسیاہ
ہیں سر برہنہ خاک نشینانِ کربلا

---

[1] جہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔

(۱۸)

بادِ شمالِ ظلم ادھر کو جو آ گئی — ایک ایک کر کے دین کی شمعیں بجھا گئی
دل، داغ سارے کر گئی سینے جلا گئی — سب اُڑ گئی وہ خوبیِ ایوانِ کربلا

(۱۹)

پیٹے ہیں ہم حسینؑ کو جو کھول کھول بال — کیا خاطروں سے جاتے رہیں گے ہمارے حال
اشجارِ بید کے جو ہیں سو سالہائے سال — دیویں گے یاد بے سرِ عریانِ کربلا

(۲۰)

کرنے جو نوحہ لاشے پہ ہم جمع آ ہوئے — آنکھوں سے دل کے ٹکڑے گرے بال وا ہوئے
بیجا ہمارے شور سے وحشی بجا ہوئے — دیواں ہوا ہے حشر کا دیوانِ کربلا

(۲۱)

اس لوٹے کاروان کا دیکھے کوئی گزار — یہ سانحہ ہوا ہے زمانے کا یادگار
عترتِ نبیؐ کی اونٹوں پہ ہے ننگے سر سوار — سجادِ نالہ کش ہے حُدی خوانِ کربلا

(۲۲)

وارثؑ[۲] کے پیچھے جا نہیں گئیں دمو سوں سے ہائے — کیا طرحیں چرخ کرتے ہیں ہم بیکسوں سے ہائے
کیسی کمی اُٹھائی ہے ہم نے خسوں سے ہائے — کس سے کہیں یہ دردِ فراوانِ کربلا

(۲۳)

ناگہ نگہ جو لاش پہ قاسمؑ کی جا پڑی — ساعت وہ گزری اہلِ حرم پر بہت کڑی
ماں اس کی سر کو پیٹے لگی تھی یہیں کھڑی — ہے دیدنی یہ نوشۂ بیجانِ کربلا

۱؎ یہ مرثیہ رسالہ "اُردو" میں چھپ چکا ہے لیکن اُس میں یہ بند شامل نہیں۔ ۲؎ "اُردو" میں یہ بند نہیں ہے۔

(۲۴)

چن چن کے دشمنوں نے عزیزوں کے کاٹے سر
مارا پڑا رئیس تلف ہو گئے پسر
سر پر نہ عورتوں کے ردا تھی نہ انکو گھر
آئی نہ کام ہمت مردانِ کربلا

(۲۵)

آیا جو شہ یہاں تو یہیں کا یہیں رہا
انواع جور و ظلم و ستم جان پر سہا
آخر کو خون اس کا یہیں خاک پر بہا
نکلا نہ پھر وہ یوسفِ زندانِ کربلا

(۲۶)

آنکھوں کو جس کی رہ میں بچھایا کئے ہیں ہم
منت سے جس کے ناز اُٹھایا کئے ہیں ہم
مسند پہ نازکی سے بٹھایا کئے ہیں ہم
سو خاک میں پڑا ہے وہ سلطانِ کربلا

(۲۷)

یہ مردمی تو دیکھو کہ دریا بہا کیا
خیمہ کنارے پر کھڑا اس کا رہا کیا
شہ ہر طفل پانی ہی پانی کہا کیا
پیاسا موا ندان وہ نادانِ کربلا

(۲۸)

بالفرض دشمنوں نے نہ کی اس طرف نظر
کینہ سے ہونٹ سوکھے ہمارے نہ چاہے تر
اک ابر بھی نہ آن کے برسا تنک ادھر
تا آسماں تھی تشنہ رخیِ عطشانِ کربلا

(۲۹)

کلثومؑ یوں تھی لاش پہ بھائی کی نوحہ زن
سر کیا ہوا کہ خاک میں پامال ہے بدن
پھر وجہ کیا کہ اب نہیں ملتا تجھے کفن
اے بادشاہِ بے سر و سامانِ کربلا

(۳۰)

ہم کچھ کریں جو فکر سو قدرت نہیں ہمیں
ماتم میں تیرے بیٹھیں سو فرصت نہیں ہمیں
میت کی رسمیں کرتے سو مہلت نہیں ہمیں
رسوائی کر رہے ہیں نگہبانِ کربلا

(۳۱)

مہمانی ہم مسافروں کی کیا رہی ہے یاں
لختِ دل و جگر تھے جو مارے پڑے جواں
جانا نہ ہم نے یاں کا دمِ آب و پارہ ناں
دیکھی سو اب یہ نعمتِ الوانِ کربلا

(۳۲)

اس[1] خاک پر اتر کے نہ فرصت تجھے رہی
در پیش ہر قدم پہ قیامت تجھے رہی
بیدینوں سے یہاں کے کدورت تجھے رہی
شائستگی مگر نہ تھی شایانِ کربلا

(۳۳)

ہوئے خوشی کسو کو تو ہوئے شگفتہ رو
شادی ہو جان کو تو کرے ہنس کے گفتگو
تھی رونے کی جگہ کہ بجود ہم نہ تھے نہ تو
بھائے زخم تھے لبِ خندانِ کربلا

(۳۴)

ہضم[2] سے آب و دانہ کا قدغن ہوا تھا یاں
جز ذکرِ تیغِ تیز نہ کچھ آیا درمیاں
سادات کشتہ جانتے ہیں یا انھوں کی جاں
جو دیکھ کر موئے ہیں یہ حرمانِ کربلا

(۳۵)

گردنیوں[3] کے گوش مگر کر تھے اس گھڑی
جس وقت کشت و خون کی یاں دھوم تھی پڑی
صف عورتوں کی لاش پہ چلاتی تھی کھڑی
محشر بپا تھا ہر دلِ نالانِ کربلا

۱؎ یہ بند بھی "اردو" میں نہیں۔ ۲؎ ممانعت، پابندی۔ ۳؎ یہ بند نسخہ "اردو" میں ہے نہ "نیرنگ" رام پور میں۔

(۳۶)

یاں[1] سے نہیں چلے ہیں ہم ایسے ہو پائمال جو خاطروں سے اپنے فراموش ہو یہ حال
اب جا چکی دلوں سے یہ حیرانی و ملال رہیئے گا زندگی تئیں حیرانِ کربلا

(۳۷)

القصہ پیٹ رو کے گئے آگے وے اسیر دل چاک سر میں خاک جوان اور خرد و پیر
بس تو بھی اپنے ہاتھ سے رکھ کر قلم کو میر کہہ بادے کہ ہوئے گل افشانِ کربلا

(۳۸)

بعد از نماز و سجدہ کرے در پہ التماس کاے شاہ بندہ پرور و قدرِ گدا شناس
مقصودِ میر یہ ہے کہ اب ترک کر لباس جوں زائران چاک گریبانِ کربلا

(۳۹)

ہندوستاں سے قطرہ زن آوے چلا ہوا
مانند ابر چند پھرے دل بھرا ہوا
تو ملتفت ہوا کہ یہ مطلب روا ہوا
دیوے گا پھر نہ ہاتھ سے دامانِ کربلا

(یہ مرثیہ "اردو" ۱۹۳۱ء اور نیرنگ تنقید نمبر ۱۹۲۹ء میں باستثنار چند بندوں کے شایع ہو چکا ہے)

[1] یہ بند "اردو" میں شامل نہیں۔

بائیسواں[۲۲] مرثیہ

(۱)

ابن علی سے سُنا ہے یارو دشتِ بلا میں لڑائی ہوئی
ایدھر تھے ہفتاد و دو تن یہ اودھر ساری خدائی ہوئی
[۱] صاف نکل کر جیسے گیا یہ گھر کی ساری صفائی ہوئی
چارہ کیا ہے خواہشِ حق سے کب رہتی ہے آئی ہوئی

(۲)

تھی وہ خمِ رسل کی اُمت[۲] یہ بھی اس کا نواسا تھا
چشمِ[۳] وفاداری رکھتا تھا، ایک جگہ کا باسا تھا
سوئے سب دریا پر اترے ایک یہی واں پیاسا تھا
دیکھو ان اندھے لوگوں سے کیسی دیدہ[۴] درائی ہوئی

(۳)

ہائے کنھوں نے یہ بھی نہ پوچھا کیا ہے گنہ ان لوگوں کا
ثابت کچھ تو کیا چاہیے ہے حال بُرا ان لوگوں کا
قتل ہوا پھر کس خاطر سردار بھلا ان لوگوں کا
یہ جو مسافر آ اُترے تھے کاہے کو ان پر چڑھائی ہوئی

(۴)

آنکھ ملا کر کہہ تو فلک پر کیسی نظر تھی تاروں کی
جانیں کھپیاں، گردنیں کٹیاں بھوکے پیاسے بچاروں کی
سرورِ دیں یوں خاک میں لوٹے عزت ہو یوں خواروں کی
چتر گرایا کس کا ظالم کس کے رائے دہائی ہوئی

(۵)

کیسے طول جو حد رکھے کچھ ظلم و ستم کے ہاتوں کا
کیسا ٹھہرانا سبطِ نبی پر قدغن تھا سب باتوں کا
دن کا کھانا ترک ہوا تھا منع تھا سونا راتوں کا
پانی سیّد پینے نہ پاویں چاروں اُور منائی[۵] ہوئی

---

۱ پہلے بند کے آخری دو مصرعے "اردو" میں شامل نہیں۔ ۲ وہ گروہ جو کسی پیغمبر کا پیرو ہو۔ ۳ چشم داشتن یعنی توقع رکھنا۔ ۴ جرأت۔ شوخ چشمی۔ ۵ ممانعت۔ مناہی اور منائی دونوں صحیح ہیں۔

(۶)

کیا داورِ محشر کو کہے گا سر رفتہ کرگوش ہر کا حیدر صفدرؑ باپ ستم کش نانا احمدؐ تھا جس کا
ظلم سے اس کو کیوں مارا یہ مجرم ایسا تھا کس کا قہر ہے جو دکھلاوے گا پیشانی پہ برچھی کھائی ہوئی

(۷)

کھانا پینا ترک کیے پردیس کو ایسے غم کھانے پڑے ہے بیٹے بھتیجے بھائی سب کے سر ناچار کٹانے پڑے
ہائے رے اس غیرت پر اس کو کیا کیا ظلم اٹھانے پڑے ہے جان کھپی، ناموس لٹی، گھر بار گیا، رسوائی ہوئی

(۸)

جب بلبلیں ہیں گے لوگ حرم کے چھاتی پھٹ پھٹ جاوے ہے ایک گھڑی تھانبے ہے عابدؑ ایک اسے سمجھاوے ہے
ایک طرف مچلی ہے سکینہؑ زینبؑ اس کو مناوے ہے بابا بن وہ روٹھی جو ہے سو منتی نہیں ہے منائی ہوئی

(۹)

جل کے جگر ہے راکھ کی ڈھیری اور توا ہر چھاتی ہے جوشِ غبارِ ملال اُٹھے پر آندھی سی اک آتی ہے
بات، اور بن ہیں جیسے سوکھے جانیں اُڑائے جاتی ہے پہنچے ہے تا عرشِ اعظم خاک ہماری اڑائی ہوئی

(۱۰)

ایک بہن کہتی تھی یوں گھر بار ترا کیوں لوٹ لیا کوئی نہ چھوڑا پیچھے جیتا، ہائے یہ کیا ستھراؤ کیا
کنبہ مرکر ڈھیر ہوا، آخر کو تو نے جی بھی دیا بارے تقصیر ایسی سزا کی کیا تجھ سے اے بھائی ہوئی

(۱۱)

ایک کہے تھی نوشہ قاسمؑ کیسا بیاہ رچایا تھا کیا ساعت تھی نحس وہ جس میں بیاہنے کو تو آیا تھا
لگ گئی جیسے ایکا ایکی اتنی ہی کیا لایا تھا منھ بیلے ہے اب تک تیرے ہاتھ کی مہندی لگائی ہوئی

(۱۲)

نیگ کی جس کو رسم تھی اس سے کہتی تھی وہ رو کر
رسمیں کتنی باقی تھیں جو یاں سے چلا غمگیں ہو کر
جاتے ہی آنکھیں مند گئیں شب کو کیا نہ اُٹھا تھا سو کر
ایک نگاہ حسرت ہی کیا سہرے کی میرے بندھائی ہوئی

(۱۳)

کوئی کہے تھی شبیہ اکبر آنکھوں میں کیونکر آب آوے
نقشہ اس کا نقش جو ہے خاطر صفحہ سے کیا جاوے
دل کی تڑپ اب جا ہی چکی ہے جان تسلی کیا پاوے
جلوہ گری پھر کرتی ہے کوئی صورت ایسی مٹائی ہوئی!

(۱۴)

ظلم اُٹھایا جی بھی کھپایا سر کو کٹایا چھاتی جلی
پیاسا جی سے گیا دریا پر منت پھر اک خس کی نہ لی
شہ جو غیور تھا سو چاہا جی میں اس جینے سے موت بھلی
ہاتھ پسارے کون کسی کے شاہی نہیں یہ گدائی ہوئی

(۱۵)

ایک کہے تھی کوئی ہمارے چھٹکارے کی طرح نہیں
ظلم و ستم ہے جور و جفا ہے رحم کسو میں ہے بھی کہیں
ظاہر ہے رفتار فلک سے رکھا ہم کو اسیر یہیں
قید حیات سے نکلا کوئی جو بارے اس کی رہائی ہوئی

(۱۶)

کوئی کہے تھی تو نے شاہا جتنے ان سے بچور رہے
یار و یاور خویش و برادر سارے آکر ٹھور رہے
خاک تھے جو کہ انھوں نے اُٹھ کر منھ پر کیا کیا حرف کہے
ہائے لیے کیونکر دل میں تیرے ایسے غموں کی سمائی ہوئی

---

۱ شادی کے موقع پر بعض رشتہ داروں کو جو رقم نوشاہ یا ان کے والدین دیں۔ ۲ سہرا باندھنے کے بعد جو رقم نیگ میں دی جاتی ہے اسے سہرا بندھائی کہتے ہیں ۳ صفحۂ خاطر۔ یاد ۴ مٹی ہوئی کی جگہ ۵ مر لیے، قتل ہو گئے۔

(۱۷)

ایک کہے بھی ظلم و ستم پوشیدہ نہیں جو کریے بیان
سب پیدا[1] ہیں ان سے جو یہ مارے پڑے ہیں پیر و جواں
بھوکے پیاسے اکبرؑ و قاسمؑ خستہ جگر خود شاہ زماں
منھ پہ سبھوں کے نمایاں ہے تلوار ستم کی کھائی ہوئی

(۱۸)

کوئی کسو ملت میں یارو ایسا ستم بھی کرتا ہے
سبط نبیؐ فرزند علیؑ کا ناچاری سے مرتا ہے
دل تو چاہے ہے جینے کو پر موت پہ جی کو دھرتا ہے
کیا سمجھے تھے شامی کوئی ایسی جن سے برائی ہوئی

(۱۹)

کیا سمجھی یہ قوم سیہ رو کیا ان نے یہ خیال کیا
زہر حسنؑ کو دے کر مارا، حیدرؑ کا وہ حال کیا
اب جو حسینؑ رہا تھا بیکس تس کو یوں پامال کیا
اول سے لے آخر تک کیا ان لوگوں سے بھلائی ہوئی

(۲۰)

حالِ عابدؑ کچھ مت پوچھو ایک تو تھا بیمار و نزار
دوسرے کنبہ اس کا سارا جور و ستم سے ڈالا مار
تیسرے آفت آکر ایسی ٹوٹ پڑی ہے ایک ہی بار
چوتھے ایسے حال میں اس کو ویسے پدر سے جدائی ہوئی

(۲۱)

قصہ کوتہ میرؔ کہاں تک آلِ عبا کے دکھ سنیے
رہیے کڑھتے ماتم کریے کوٹیے چھاتی سر دھنیے
جیسے کباب بروے آتش جلیے شام و سحر بھنیے
چپ رہ ظالم خوب نہیں اب آگے بات بڑھائی ہوئی

[1] ظاہر، عیاں

تیئسواں[۲۳] مرثیہ

(۱)

نہ چھوڑی دشمنوں نے گھر میں شے دوست نہ چھوڑا پیچھے جینا کوئی اے دوست
رہیں نالاں نہ کیونکر مثلِ نے دوست ستم گذرا، غضب، ہو دوست ہے دوست

(۲)

کہاں آیا تو اپنے پاؤں چل کر جہاں سر یوں دیا آخر کو جل کر
کہیں سو کیا کہیں اب ہاتھ مل کر یہی کہتے ہیں سب ہے، دوست ہے دوست

(۳)

ہوئے درپے سبھی ناموس وجاں کے نتھے اسلامی ترے دشمن کہاں کے
بکھر جاتے ہیں جی پیر و جواں کے کہیں ہیں لڑکے جب ہے دوست ہے، دوست

(۴)

فلک کی چال کینے کی نہ سمجھا ہوا پامال تو نقشِ قدم سا
گیا سر کیوں کبھو تو نے تو اس جا نہ رکھا پا کُڈھب[1] ہے دوست ہے دوست

(۵)

وطن سب کا عرب مدت کا باشا[2] امام دیں محمدؐ کا نواسا
موا آنکھوں کے آگے سب کے پیاسا عجب بلصد عجب ہے دوست ہے، دوست

[1] بے موقع ۔ نامناسب ۱۲ [2] بسا ہوا ۱۲

(۶)

جنھوں سے تھی امید مہربانی　　دریغ ان سب نے رکھا تجھ سے پانی
ہوئی دریا پہ مشکل زندگانی　　موا تو تشنہ لب ہے دوست، دوست

(۷)

ہوئی نانا کی امت دشمن جاں　　رہا تو دیر خاک و خوں میں غلطاں
رہی دینداری و اسلام و ایماں　　نہ عزت نے ادب، ہے دوست ہے دوست

(۸)

سبب ہو تو کہے کوئی موالی　　کہاں، ہے دشمنی تجھ سے نکالی
نہیں مرنا ترا حسرت سے خالی　　گیا ہے بے سبب، دوست ہے دوست

(۹)

بھتیجے بھائی، بیٹے، تیرے پیارے　　گئے ناچار، ہو کے جی سے مارے
ترے حصے میں کیا آئے تھے سارے　　غم و رنج و تعب ہے دوست، دوست

(۱۰)

اُٹھائے تو نے کیا کیا رنج و محنت　　گیا لے یاں سے کیسی کیسی حسرت
یہ گر ایام پر پڑتی مصیبت　　تو دن ہو جاتے شب ہے دوست، دوست

(۱۱)

وطن سے ہائے کر کر رہ گرائی　　مصیبت دیکھی یا ایذا اٹھائی
گیا جی سے ولے تو نے نہ پائی　　زمیں بھی یک وجب ہے دوست ہے دست

۱؎ ہمدرد ۲؎ سفر ۳؎ بالشت ۱۲

(۱۲)

سنی ہو مرگ بھی ایسی بہت کم رُکے جاتے ہیں جی ہر لحظہ ہر دم
کہیں کیا با ہزار افسوس و غم ہم کہا کرتے ہیں اب ہے دوست ہے دوست

(۱۳)

غیور ایسا نہ کوئی ہم نے پایا، جگر حسرت نے پانی کر دکھایا
موا لب خشک، پر لب پر نہ لایا کبھو حرفِ طلب ہے دوست ہے دوست

(۱۴)

ترے اندوہ کہنے میں نہ آئے یہی افسوس کر سب کہنے پائے
کروروں، لاکھوں غم جی میں سمائے عجم سے تا عرب ہے دوست ہے دوست

(۱۵)

ترے ماتم کے جب پڑتے ہیں اسباب[1] نہیں رہتی جیوں میں مطلقاً تاب،
جگر پھٹتے ہیں کس حسرت سے احباب کہیں ہیں زیرِ لب ہے دوست ہے، دوست

(۱۶)

کہوں یہ واقعہ آگے تو غم ہو
دلوں کو میر صد گونہ الم ہو
موا جس طرح وہ ثابت قدم ہو
مرے یوں کوئی کب ہے دوست ہے دوست

[1] سامان بہم ہونا۔

چوبیسواں مرثیہ

(۱)

آئی ہو شب قتل حسین ابن علیؑ کی
رخصت ہو سحر عترت والائے نبیؐ کی
کٹ جائے گی سب آل رسول عربیؐ کی
برہم ہی ہوئی جان لو صحبت یہ کبھی کی

(۲)

جب اس شہ مظلوم سے تلوار چلے گی
گرد اُٹھ کے سوئے چرخ ستمگار چلے گی
پاؤں کے تلے سے زمیں یکبار چلے گی
اُٹھ جائے گی تہ جن و ملک انس و پری کی

(۳)

لیکن جو مقدر ہے شہ دیں کا نہ ہونا
آزار دلی کھینچنا، اس جان کو کھونا
احباب جو ہیں ان کو قیامت تئیں رونا
کس طرح ظفر ہووے نہ اس قوم دنی کی

(۴)

بے ڈول نظر آتی ہیں اعدا کی نگاہیں
ہو جائے تعجب جو مروت کو نباہیں
غالب ہو کہ یہ خوبیٔ شبیرؑ نہ چاہیں
سن لیجو کہ ان لوگوں نے سادات[۱] کشی کی

(۵)

ہووے گا نمودار سحر کا جو ستارا
ہوگا تبھی سے شام کے لوگوں کا گذارا
میداں میں نکل صاف یہ شہ جائے گا مارا
ساتھ اس کے اجل آئے گی یکبار سبھی کی

---

[۱] سادات۔ رسول کی اولاد ۱۲

(۶)

ہرگز نہ ملے گا کسو کو ایک دم آب
کیا خرد د کلاں پیاس ہو جائیں گے بے تاب
تڑپیں گے پڑے خاک میں کیا کیا دل بیتاب
دریا پہ یہ آفت پڑے گی تشنہ لبی کی

(۷)

اکبر کے تڑپنے کے تئیں دیکھے گا مظلوم
مرنا کرے گا گود میں اصغر کا بھی معلوم
سن لیوے گا قاسم کی بلا کی پڑی دھوم
لے جائے گا سب تے ہوئے جی ہی میں جی کی

(۸)

گذرے گی جو کچھ سر کے اوپر سب وہ سہے گا
بیٹوں میں بھتیجوں میں کوئی کم ہی رہے گا
جو وارثی کر باپ کی اک بات کہے گا
اوقات نے دیکھو گے بہت اس سے کمی کی

(۹)

برپا کریں گے حشر عجب خیموں میں جا کر
لے جائیں گے پھر سر کے تئیں نیزہ چڑھا کر
لاویں گے بلا ایک حرم شاہ میں آ کر
دلجوئی نہ عابد کی، تسلی نہ کسی کی

(۱۰)

چھینیں گے ردائیں سر ننگان حرم سے
کچھ کہہ نہ سکے گا کوئی واں فرط الم سے
در گوش سکینہ کا اتاریں گے ستم سے
دلداری کرے گا نہ کوئی باپ موئی کی

(۱۱)

محجوب نہ ہوگا کوئی شبیر کے رو سے
ہوگا وہ پڑا خاک میں آلودہ لہو سے
کیا زین عبا آنکھ ملاوے گا کسو سے
کچھ چشم کسو سے نہ تجسے داد رسی کی

لہ امام حسین ۲ے رہنے والے ۳ے امداد، توقع

(۱۲)

جس جا کہ پڑا خاک میں ہوگا وہ تنِ پاک   ہووے گی کھڑی مویہ کناں زینبِ غمناک
کلثوم اڑا دے گی کھڑی ہو کے بہت خاک   پرسش نہ کرے گا کوئی اس خاک ملی کی

(۱۳)

آنکھوں سے لہو روتی جگر چاک پھرے گی   فریاد کناں منہ پہ ملے خاک پھرے گی
اصغر کے لیے بانو الم ناک پھرے گی   سننے کو نہیں بات کوئی اس جان جلی کی

(۱۴)

پاس[1] احمدِ مختار کا کرنے کے نہیں کچھ ،   نہ حیدرِ کرار کا کرنے کے نہیں کچھ ،
غم عابدِ بیمار کا کرنے کے نہیں کچھ   کیا دیکھیو اس قوم نے دنیا طلبی کی

(۱۵)

بے صرفہ چلے آویں گے غارت کے بہانے   لے جائیں گے لوگوں کے تئیں پاؤں چلانے
دیکھو گے کہ اس جمع سراپائے جفا نے   وارث کے موئے پر بھی جفا میں نہ کمی کی

(۱۶)

خوش ہوویں گے دیکھیں گے اسیروں کو جو مغموم   دم لینے نہ دیویں گے جو[2] ہو ماتمِ مظلوم
انصاف کرو گے تو تمھیں ہووے گا معلوم   ان بدگہروں نے بھی کوئی بات بھلی کی ؟

(۱۷)

القصہ سب شام کی جانب کو چلیں گے   دل اور جگر آتش کربت[3] سے جلیں گے
کم فرصتیٔ وقت سے ٹک دم بھی نہ لیں گے   سن لیجیو کر عابدؑ نے بلا رنج کشی کی

۱؎ لحاظ۔ مروت ۔ ۲؎ تاکہ ۳؎ دکھ ۔

(۱۸)

یک چند جدا جا کے وہ رنجور رہے گا
بے گور و کفن یہ تن پُر نور رہے گا
ہر جائے بہم میرؔ یہ مذکور رہے گا
کیا سمجھے تھے وے لوگ جو یہ بے ادبی کی

پچیسواں مرثیہ

(۱)

چہلم ہوا اے محبّاں! اس شاہِ دوسرا کا،
جو آرزوئے جاں تھا پیغمبرؐ خدا کا
مذبوح دار و دستہ سب خنجرِ جفا کا
رہتا کوئی تو ہوتا غم اسکے کچھ عزا کا

(۲)

آگے ہی مر گئے تھے اسکے جو تھے ہوا دار
ماتم لے کون بیٹھے کون اس کا ہو عزادار؟
اک عابدینؑ سو اس کی ایذا کے سب روادار
بیمار تس کے اوپر محتاج وہ دوا کا

(۳)

بھائی نہ تھا کہ روتا مرنے پہ ٹک کھڑا ہو
اکبرؑ نہ تھا کہ اس کو واں گور اور گڑھا ہو
قاسمؑ نہ تھا کہ جس کا دل داغ ہو گیا ہو
وہ جان کر موا تھا احوال یہ چچا کا

(۴)

وارث نہ غیر عابدؑ، سو مبتلا بلا میں،
گردن میں طوق اسکے زنجیر اس کے پا میں
اک شور سا اٹھا تھا رونے کا جب نسا میں
منھ دیکھ دیکھ روتا ہمشیر اور ما کا.

(۵)

کڑھنا بنا نہ اس پر دلخواہ عورتوں کو | مہلت کہاں کہ کہیے اپنی مصیبتوں کو
وارث موئے اٹھایا کیا کیا مصیبتوں کو | رونا ہر ایک کو تھا اسباب میں ردا کا

(۶)

خیمے گئے جلا کر اسباب کے برابر | اہل حرم کے سر پر معجر نہ ایک چادر
پرسش کو کام کھینچتا ہوتا جو کوئی داور | اس طور گھر کو لوٹا دیتے ہیں جیسے ڈاکا

(۷)

جور و ستم کی آندھی شدت سے آہ آئی | گلزار رشک وادی اک دم میں کردکھائی
خاشاک و خار و خس نے واں سیل راہ پائی | ہوتا تھا جس چمن میں مشکل گذر صبا کا

(۸)

ایسے ثبات پا سے مرنا بہت ہے مشکل | سو سو سپاہ دل تھے ایک ایک کے مقابل
رحمت بر آں جواناں لعنت بہ جمع باطل | مر تو گئے وے سید پر کر گئے ہیں ساکا

(۹)

آیا تھا کس گھڑی کا جو پھر گیا نہ گھر وہ | سر دے سبر جہاں سے آخر گذر گیا وہ
یعنی کہ ہو کے بیکس ناچار مر گیا وہ | ٹھہرا رکھا تھا ان نے چارا یہ انتہا کا

(۱۰)

تیر و سناں کی بارش کرتا رہا نظارا | دیکھا نہ آنکھ اٹھا کر کنبہ موا بھی سارا
بیٹے موئے تو ان نے زنہار دم نہ مارا | کیا کیا ستم اٹھائے پر راضی تھا رضا کا

۱؎ کار بہ پرسش کشیدن۔ دریافت حال کرکے سزا دینا ۲؎ ساکھا۔ نہایت ناموری کے ساتھ جنگ کرنا

(۱۱)

جاے گیا نہ اپنا وہیں رہا شکیبا کیا حوصلہ تھا یارب، کیا دل و جگر تھا
مرنا سبھوں کا دیکھا ان نے خموش یکجا بولا نہ غیر ازیں کچھ چارہ نہیں قضا کا

(۱۲)

نوگلِ چمن کے اپنے مرجھائے ان نے پائے اشجار سرکشیدہ اکھڑے نظر میں آئے
پودھے جو تھے سو کھیل سب حلق بریدہ لائے پھر جانا خوب دیکھا یکبارگی ہوا کا

(۱۳)

غربت کی سختی دیکھو اس بے وطن کو دیکھو گرم آفتاب میں پھر سیر بدن کو دیکھو
عابدؑ کے ہاتھ دیکھو یارو! رسن کو دیکھو نے پاس مصطفےٰ کا نے خوف مرتضیٰؑ کا

(۱۴)

حیدرؑ کو بے تہی سے کچھ بھی نہ دل میں جانو احمد کو سرکشی سے بالفرض دتی نہ مانو
کلثوم اور یہ دھومیں دشت اور شہر بانو انصاف کوئی پوچھے تھا کون سی یہ جا کا

(۱۵)

بہنوں کو بیٹھنے کی مطلق ملی نہ فرصت بیٹے کو راہ چلنا اس پر کہ تھی نہ طاقت
حلوائے مرگ کیسا کیسی رسومِ میت ہر ایک مبتلا تھا درد و غم و بلا کا

(۱۶)

باباحسینؑ کہہ کر روتی تھی جب سکینہ دل چاک ہوتے تھے سب پھٹتا تھا سن کے سینہ
کہتا تھا ناظم کیا کیا ہر اک کمینہ حرف تسلی کیسی مذکور کیا وفا کا

۱؎ گلِ نو. نئے پھول ۲؎ ادبار ۳؎ پھبتی. حاضری ۴؎ سخت کلمات. نازیبا باتیں ۱۲۔

(۱۷)

پُرخار وہ بیاباں کثرت سے تنگ آیا
بے محمل اشتروں پر عورات کو بٹھایا
بندی کیا سبھوں کو ماتم وہ یوں اُٹھایا
پھر راہ ضیق[۱] ایسی جیسے سوئی کا ناکا

(۱۸)

یہ خونچکاں فسانہ رکھتا نہیں ہے پایاں
جہاں عزیز ایسا تعظیم کا جو شایاں
اس پر یہ جور بے حد، ایسی جفا نمایاں
ہے داغ سب کے دل پر اس طرفہ ماجرا کا

(۱۹)

وہ کنج زار صحرا، پھر چہلّم روزہ مدت
کچھ بولیے نہ اس جا یہ ہے خدا کی قدرت
جب عابدینؑ نے پائی اس قید سے فراغت
تب آکے جسم گاڑا اس سب کے پیشوا کا

(۲۰)

القصہ شامیوں نے کیا کیا جفاعیاں کی
چادر تلک نہ چھوڑی اُن ظلم دیدگاں کی
پوشیدہ کیا رہا ہے حاجت جو ہو بیاں کی
کیا شرح وبسط کریے اس خارجی ادا کا

(۲۱)

آیت حجاب کی تھی شانوں میں جس کی نازل
سرننگے پا برہنہ لائے انھوں کو جاہل
حق پر یہی میرؔ تھے وے، مردود سارے باطل
پردہ اٹھادیا تھا اس قوم بے حیا کا

[۱] تنگ

چھبیسواں مرثیہ

(۱)

اس گلِ باغِ امامت کے ہیں پھول　　آبیاری جن کی کرتی تھی بتول
سو تنِ نازک پہ اس کے خاکِ دھول　　دیدنی[1] ہے رنگِ صحبت یا رسول

(۲)

گل سبھی اس باغ کے مرجھا گئے　　پودھے پامالی میں سارے آ گئے
جور کے آرے شجر سب کھا گئے　　جائے گلبن سبز و خرم ہیں ببول

(۳)

اب نہیں ہو برگ و بار و بر کا نام　　خار غنچے ہو رہے ہیں گام گام
سیر کر ٹک جور کے تیشوں کا کام　　کچھ نہ چھوڑا کیا فروع[2] و کیا اصول[3]

(۴)

پھر گئی کیا آہ یک باری ہوا　　اُڑ گئے سب طائرانِ خوش نوا
کیا زمانے نے ستم رکھا روا　　جائے بلبل زاغ بیٹھے پھول پھول

۱؎ مرنے کے تیسرے دن کی رسم۔ کہتے ہیں کہ یہ رسم ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہم میل جول بڑھانے کے لیے اکبر نے مسلمانوں میں رائج کی تھی۔ چونکہ ہندوؤں میں تیسرے دن مرنے کے پھول یعنی ہڈیاں چُنی جاتی ہیں اسلیئے اسکے بجائے یہ رواج دیا کہ اس روز کچھ پھول اور ارگجا حاضرین کے سامنے چنے وغیرہ کے ساتھ لایا جائے اور ہر ایک سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھول ارگجے میں ڈالے اور وہ سب مردے کی قبر پر پہونچائے جائیں۔

۱؎ دیکھنے کے لائق۔ ۲؎ شاخیں ۳؎ جڑیں۔

(۵)

ظالماں پژمردہ گل سب کر گئے   خار و خس سے گلستاں اب بھر گئے
آدمی کی جنس یعنی مر گئے   باغ جنگل ہوگیا پھرتے ہیں غول[6]

(۶)

الغرض میداں میں شہ مارا گیا   دار و دستہ قتل ہو سارا گیا
عابدیںؑ کا یاور و یارا گیا   کرتے ہیں کیا کیا فضولی اب فضول[2]

(۷)

جس کا نانا رحمت اللعالمیں[3]   باپ جس کا وہ امیر المومنیں[4]
خود امام برحق دینِ مبیں[5]   تس کو ماریں یہ ظلوم اہلِ جہول

(۸)

پھر وہ مارا جائے یوں بیکس غریب   نے کوئی جس کا رہے یار و حبیب
کیونکہ ہوئے مشتِ خاک اسکو نصیب   فاتحہ دے کون آکر، کیسے پھول؟

(۹)

داد چاہیں کیا شہِ مقبول کی   لاش پہونچا دیں کہاں مقتول کی
اصل ہو معلوم اس مجہول کی   ہے جو حاکم ردِّ خلق و ناقبول

---

۱ زیادتی۔ ظلم۔ ۲ فضول لوگ یعنی اہل شام ۳ کونین کے لیے رحمت۔ رسول خدا۔
۴ حضرت علی۔ ۵ روشن مذہب مراد اسلام ۶ بھوت۔ شیطان۔

(۱۰)

نوزدہ سالہ پسر اک رشک ماہ
لوٹتا تھا خاک و خوں میں پیش شاہ
ہو جہاں کیونکر نہ آنکھوں میں سیاہ
اس جگر پارے کے تئیں برچھی کی ہول

(۱۱)

اک پسر شش ماہہ لاگا جس کے تیر
خوں ہوا جس سے دل برنا و پیر
ہو گا جس کا پارۂ دل وہ صغیر
اس کے دل میں کیسے لگتے ہوں گے پھول

(۱۲)

زور دکھلانے کا کچھ حاصل نہ تھا
قافیہ یہ مرثیہ قابل نہ تھا
غم سے پھر مجھ کو دماغ دل نہ تھا
ورنہ دیتا بات کو میں اور طول

(۱۳)

تھا غرض شاداب کیا یہ گلستاں
پھول و گل تھے رنگ رنگ اس میں عیاں
آگئی یکبار اس پر یوں خزاں
گل جو تھے غنچے ہوئے ہو کر ملول

(۱۴)

یہ چمن جو سبز با خرم رہا
خوبی و رونق ہی کا ہمدم رہا
ہر گل و بوٹے پہ اک عالم رہا
حظ روحی اس سے ہوتا تھا حصول

(۱۵)

ہو گیا ہے سو وہ اب ماتم کا گھر
جھڑ پڑے اس کے گل تر خاک پر
دیکھیے ادھر تو خوں ہووے نظر
درد و غم بن کچھ نہیں ہوتا وصول

۱؎ ابیٹی ۲؎ مراد حضرت علی اکبر ۳؎ گھونچا۔ نیزے کی نوک گھسیٹرنے کی حرکت ۴؎ خباب علی اصغر ۵؎ جوان ۶؎ داغ۔ چنگاری ۷؎ لطف

درد دل اے میرؔ کب تک بس خموش — ہو گیا احباب کو تو دردِ گوش
کشتہ ہیں اس واقعہ سے اہلِ ہوش — مردہ ہیں اس سانحے سے ذی عقول

ستائیسواں مرثیہ

ترکیب بند مثمن

پھر کیا یہ دھوم ہے کہ جہاں ہے سیہ تمام — پھر کیا یہ ماجرا ہے کہ ہے صبح جیسے شام
پھر کیا ہے یہ غبار کہ اٹھتے ہیں دل سے جوش — پھر کیا یہ غلغلہ ہے کہ حیراں ہیں خاص و عام
پھر کیا ہے یہ فتور کہ ہے شور ہر طرف — پھر کیا یہ حشر ہے کہ جہاں میں ہے دھوم دھام
پھر کیا ہے یہ خیال کہ سر دورِ چرخ میں — جس سے نہیں زمین کے مرکز کا اک مقام
پھر کیسا واقعہ ہے کہ یہ زلزلہ ہے یاں — برہم ہوا سا دیکھتے ہیں دہر کا نظام
کس کا کیا ہے تازہ حوادث نے ایسا خوں — ہر صبح آفتاب پیے ہے لہو کا جام
پہونچا نہیں ہے وعدۂ محشر ابھی مگر — جبریل کہہ کے صلِ علیٰ جس کا لے ہے نام
زہراؑ کے دل کا لخت، محمدؐ کا نورِ عین
اسلامیوں کے ظلم سے مارا گیا حسینؑ

۱؎ نامعلوم بات۔ ۲؎ ٹکڑا۔ ۳؎ آنکھوں کا نور۔

کاش اس گھڑی زمیں پہ گرا ہوتا آسماں ‏ ‏ ‏ کاش اس گھڑی جہاں سے گیا ہوتا یہ جہاں
تھا بال بال اس کا رگِ جانِ مصطفٰے ‏ ‏ ‏ تر کرتے خوں میں کاشکے حوروں کے گیسواں
جن و ملک تمام کیے ہوتے قتل کاش ‏ ‏ ‏ چھوڑا نہ ہوتا کاشکے انسان کا نشاں
سیلیِ[۱] نسیم مرگ کی لگتی گلوں کے تئیں ‏ ‏ ‏ غنچہ ہوا ہو آخر موسم کا وہ دہاں
اللہ رے حسینؑ ستم کشتہ کا جگر ‏ ‏ ‏ فارغ ہوا خدا کے تئیں دے کے امتحاں
یارب جواب[۲] داورِ محشر کہے گا کیا ‏ ‏ ‏ بولے گا جب کہ حلق بریدہ ہے یہ جواں
کیا محشریں اٹھیں گے الٰہی جو حشر کو ‏ ‏ ‏ ہوگا یہ کشتہ ساتھ محمدؐ کے ہو رواں

روح القدس نہ سامنے ہوگا رسولؐ کے
ہوگا حسینؑ روبرو زہراؑ ملول کے

سیراب جس کے خوں سے ہو میدانِ کربلا ‏ ‏ ‏ سو تشنہ لب موا ہو وہ مہمانِ کربلا
سینہ کے تئیں چراتے ہیں سب حاملانِ عرش ‏ ‏ ‏ سر کھینچے ہو جب آہ غریبانِ کربلا
یہ شاہ دیں شہید ہوا ہو گا جس گھڑی ‏ ‏ ‏ دیوانِ حشر ہو وے گا دیوانِ کربلا
اے چرخ پیر زال پیمبر ہے سرخ پوش ‏ ‏ ‏ صلوٰۃ پر حسینؑ و جوانانِ کربلا
زہر آبِ تیغ ظلم سروں سے گزر گیا ‏ ‏ ‏ یک شہر غرق خوں ہو بیابانِ کربلا
لب تشنگیِ حسینؑ کو یہ کہتی نہ ہو سکا ‏ ‏ ‏ طوفانِ نوحؑ قطرۂ طوفانِ کربلا
روپوش ہو فلک کہ قیامت ہے جس گھڑی ‏ ‏ ‏ بے پردہ ہوں گے خیمہ نشینانِ کربلا

کہتے کہ جن کا نام سُنے بھیجیے درود
افسوس ہے کہ موئے پریشاں کریں نمود

[۱] تھپیڑا۔ [۲] جواب کہنا بھی اہلِ دہلی جواب دینے کے موقع پر بولتے تھے۔

غافل نہ رہ سپہر کہ فتنہ بپا ہوا — نکلا ہو خیمہ شام کو شہ کا جلا ہوا
جس کے طناب تھے رگِ جانِ جبرئیل کے — سو خیمہ کربلا میں رہا ہے گرا ہوا
جاتا ہے آہ ماتمیانِ حسینؑ کا — ہر نالہ لامکاں کے پرے تک چلا ہوا
ہو سر برہنہ مویہ کناں بضعۃ الرسول — حیراں ہیں قدسیاں کہ یہ کیا ماجرا ہوا
محمل نشین عترتِ پیغمبرِ خدا — ہیں سب بہ شتر سوار نمایاں یہ کیا ہوا
کیا چال ہو فلک کہ سرِ بیکسِ حسینؑ — جاتا ہو قافلے سے سناں پر چڑھا ہوا
تحریر اس گھڑی کی فغاں خامے سے نہ ہو — بے سر کی لاش پر جو سر حرف وا ہوا

بے تاب و بے قرار، اسیرِ ستم، ملول
فریاد کر کے سارے پکارے کہ یا رسول

بے سر جو یہ بدن ہو تمھارا حسینؑ ہے — بے کس، غریب، ظلم کا مارا حسینؑ ہے
ناموسِ خاندانِ نبوت جو شام کو — لے اپنے سر کے ساتھ سدھارا حسینؑ ہے
اس لشکرِ شکستہ، ستم دیدہ کا تمام — اب جس کی لاش پر ہو گزارا حسینؑ ہے
مردہ پر اس کے آؤ کہ عابدؑ تو ہے اسیر — آخر یہ بے کفن وہی پیارا حسینؑ ہے
عدہ طعن ہر سخن میں ہیں جن کے سو عبرتیں — جس کو نہیں ہو بات کا یارا حسینؑ ہے
رہتی تھی جس کی تیری بغل جلوہ گاہِ ناز — سو یہ کیے جہاں سے کنارا حسینؑ ہے
دیکھو تو سکینہ میں ہم سب ہیں اہلبیت — پر یہ گرے ہو جس کو اشارا حسینؑ ہے

سو سر تو اس کا نیزہ پہ ہو دھڑ ہو یوں خراب
کس منھ سے دے وہ ظلم رسیدہ اسے جواب

ہم یا رسولؐ شام کو جاتے ہیں خوار و زار
مارا گیا حسینؑ پھرا ہم سے روزگار
میداں میں تن سے دست و بغل ہو رہے ہیں خم
ہوتی نہیں ہے لاش نبی زادہ یک کنار
جز ابر کون ہے کہ جو روئے حسینؑ پر
نالاں نہیں ہے اس پہ کوئی غیر کوہسار
ہے اب جو یادگار جوانان اہلبیت
ہے بار ذمہ اس کو گلا اپنا طوق دار
یعنی یہ عابدینؑ کی اسیری دیے کسی
رکھتا نہیں ہے غیر رسن کوئی دستیار
انصاف دادگر تھا یہی ہم سے جو گیا
خاکِ امام ہی پہ نکالا یہ سب غبار
مایوس ہو یہ کہہ کے اسیرانِ اہلبیت
واں سے ہوئے روانہ جو روتے دلوں کو مار
آندھی چلی کہ تیرہ جہاں دو ہیں ہو گیا
اک ابر سامنے سے اٹھا زور رو گیا

دو گام چل کے پھر گیا زہراؑ کے تئیں خطاب
کہ تشنگی حسینؑ کی دریا کیے کباب
یعنی بتول جیتی جو ہیں سو تو ہیں اسیر
ان جان سے گئے ہوؤں کی مٹی ہے خراب
ہر نالہ خونچکاں تو ہے جنت کو نامہ بر
پر کیا لکھا ہے یہ کہ نہیں پہنچا جواب
مارا پڑا ہے ساقیِ کوثر کا نورِ چشم
سو تشنہ کام ہو کے کہ کہتا تھا آب آب
ہے روزِ بد کہ نیزہ پہ جا ہے سرِ حسینؑ
اندھیر ہے کہ شام کو جاتا ہے آفتاب
گیسو کہ ریشہ جن کا ترے خونِ دل میں تھا
ژولیدہ ہیں گے بادِ پریشاں سے کھا کے تاب
بے آب دشت بیچ تباہی ہے یہ جہاز
طوفاں ہے یہ کہ بیٹھ گئے خیمے جوں حباب
یا بضعۃ الرسول سبھی کی ہے الوداع
ناموس خاندانِ نبیؐ کی ہے الوداع

یکبار پھر علیؑ کی طرف سے بنے کی ندا
عابدؑ انھوں میں خاصۂ کرکے ہائے ہا
بولا کہ جدِ پاک بیاں تجھ سے کیا کروں
اُمت نے آگ دی کہ نبیؐ ہی کا گھر جلا
گھر کی خرابی عرض کروں یا کہ اپنا حال
یا وہ کہوں حسینؑ کا پایا جو خوں بہا
یعنی گرانی طوق کی جس سے رُکے ہے دم
ہو چاک سینہ کاش کہ آوے تنگ ہوا
یہ سن نہادِ دہر سے بھڑکی اک آگ تند
ہر یک زبانہ جس کا پرے عرش کے گیا
نوری و ناری آدمی حیوان اور طیر
ان سب کو ایک آن میں بھسمنت کر دیا
آیا ہمارے وہم پریشاں خیال میں
لپٹے[۱] ہیں جا کے شعلے بہ دامانِ کبریا
ہر ایک کو ہے دردِ جگر سوز یو نصیب
اللہ کو بھی کہتے ہیں شہ رگ سے ہو قریب

ہم سب ہیں اب تو غربتیِ دشتِ خوفناک
ملتی نہیں ہو سر کے اُپر ڈالنے کو خاک
کیونکر دکھاویں روضے کو ہم تیرے اپنے دل
اے کاش کہ قضا نے کیے ہوتے سینے چاک
وہ گھر کہ جو رہا حرمِ کبریا کے رشک
دی شامیوں نے آگ، گئے شعلے تا سماک[۲]
ناموسِ احمدیؐ کو دیا غیروں نے بہ باد
تیرا لحاظ نہ کیا، نے نبیؐ کا باک
یہ اک جوانِ کشتہ جسے چھوڑ آئے ہم
آلودہ خاک و خون میں جس کا تھا جسم پاک
تھا یہ حسینؑ جس کا محمدؐ تھا نازکش
ناچار آفتاب ہے اب اس کو ہو تپاک[۳]
دل بھر رہے ہیں دانۂ انگور کی طرح
اس دارِ پست سبز فلک سے لگی ہو تاک
یعنی شتاب قہرِ الٰہی نزول ہو
روحِ معاویہ بھی تنگ دل ملول ہو

---

۱ لپٹ، شعلہ ۲ جمع سماک۔ مچھلی۔ عموماً اس مچھلی سے مراد ہوتی ہو جو گاؤ زمین کے نیچے فرض کی جاتی ہو۔ لیکن یہاں اس مچھلی سے نہیں بلکہ دو ستاروں سے مراد ہو جنھیں سماکِ اعزل اور سماکِ رامح کہتے ہیں۔ ۳ تپاک۔ بے قراری ۱۲

یہ کہہ کے جسدِ پاک سے جو وہ جواں گرا — بے طاقتی سے تپ کے امامِ زماں گرا
یہ سن کے مضطرب ہوئی روحِ وصی[1] پاک — صدمے سے جس کے نعرے کے قصرِ جناں گرا
ماتم کی طرح[2] اور فلک نے نئی رکھی — جب آگے اہلبیت کے وہ ناتواں گرا
اک شور نوحہ رو بہ بیاباں بھر ہوا — جس سے کیے گمان کہ یہ آسماں گرا
ہر اک نے بے قرار ہو یہ شور سے کہا — گرنے کی جا دکھنی یہ تو عابد کہاں گرا
وحشت عجیب طرح کی نمودار اک ہوئی — جس وقت خاک رہ پہ وہ حیرانِ جہاں گرا
وحشی جو تھے غزال گئے چوکڑی کو بھول — طائر جو قدس کا تھا مع آشیاں گرا
آیا بحال، بارے اٹھا، دل جلا، کراہ
القصہ شام کی لی چراغِ نبی نے راہ

اے چرخ کیا کہوں کہ ستم گار کیا کیا — دیکھا کیا تو خانۂ حیدر جلا کیا
یہ داد تھی کہ قتل کر ابنِ علی کے تئیں — ابنِ معاویہ کے تئیں بادشا کیا
کس طرح اپنی جائے رہا تو ستم شعار — گردن پہ جب حسین کے خنجر چلا کیا
مسجد[3] میں خون گرنے سے بدتر تھا یہ عمل — سجدہ امامِ دیں نے لہو میں ادا کیا
کیا کیا دکھایا آنکھ مندے پہ حسینؑ نے — باقی رہے ہوؤں پہ ستم ہی رہا کیا
کیا ناخنِ ہلال سے سر کو کھجائے گا — عقدہ جو اہلبیت کے دل کا نہ وا کیا
ظالم ستم ہے حشر کو حلقِ بریدہ سے — اس کشتۂ ستم نے اگر کچھ گلا کیا
بے تابی ایک داورِ محشر کو آئے گی
تیرے سبب یہ خلق ہی بخشی نہ جائے گی

---

[1] حضرت علیؑ ۱۲ [2] بنیاد ۱۲ [3] حضرت علیؑ کو مسجد کوفہ میں سجدہ کرنے کی حالت میں شہید کیا گیا تھا۔

خاموش میر لب کریں اب سخن سے ساز چپ چپ خدا کو مان کہیں اے زباں دراز
ہر حرف تیرے منھ سے نکلتا ہے شعلہ زن سینے میں دوستوں کو ہوا جائے دل گداز
کیا ظلم ہے کہ قتل ہوا ہے امام وقت اور اس کی لاش بے کفن اوپر نہ ہو نماز
خاموش میر شمع رسالت کی بجھ گئی باد شمال ظلم نے کی صبح ترکتاز
خاموش میر بس یہ جگر سوز غم نہ کہہ گریہ کے ہم تو سخت جگر کرتے ہیں نیاز
خاموش میر آتش غم ہے زبانہ کش لگ جائے گا جگر کو کوئی داغ تہ دراز
خاموش میر بولنے کی جا نہیں ہے یہ ویرانہ میں پڑا رہا کہتا ہے گنج راز

خاموش میر کرتی ہے دل چاک تیری بات
صلوات بر حسینؑ کہ ہو گی تری نجات

اٹھائیسواں مرثیہ

بھائی بھتیجے خویش و پسر یاور اور یار
جاویں گے مارے آنکھوں کے آگے سب ایک بار
ناچار اپنے مرنے کا ہوگا امیدوار
ہے آج رات اور یہ مہمان روزگار
فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو میشوی سفید

یکدم کہ تیری ہستی میں ہو جائے گا غضب
سادات مارے جائیں گے دریا پہ تشنہ لب
برسوں فلک کے رونے کا پھر ہے یہی سبب
مت آ عدم سے عالمِ ہستی میں زینہار
فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو میشوی سفید

ماریں گے تیر شام کے نامردسارے لوگ
دیویں گے ساتھ اس کا جنھوں نے لیا ہو جوگ
تا حشر خلق پہنے رہیں گے لباسِ سوگ
ہوگا جہاں جہان سیہ پوش سوگوار
فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو میشوی سفید

اکبر مرے گا جان سے قاسم بھی جائے گا
عباسؑ دل جہان سے اپنا اٹھائے گا
اصغرؑ بغل میں باپ کے اک تیر کھائے گا
شائستہ ایسے تیر کا وہ طفلِ شیر خوار؟
فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو میشوی سفید

لہ داماد ہے کل حسین دنیا سے ناامید ہوگا۔ اے دل سیاہ صبح کس منہ سے تو سفید ہوتی ہے۔ سفیدی خوشحالی اور کامرانی کی علامت ہے۔ ۳ے لائق۔ سزاوار ۱۲

اے کاش کوئی روز شب تیغ اب رہے — تا اور بھی جہاں میں وہ عالی نسب رہے
لیکن عزیز جب کے مریں سب وہ کب رہے — بے چارہ سینہ خستہ و بے یار و بے دیار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

ذات مقدس ابن علی کی ہے مغتنم[۱] — اک دم میں اسکے ہوویں الٰہی ہزار دم
کیا شب رہے تو ہووے ہو ایام بھی میں کم — آتا ہو کون عالم خاکی میں بار بار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

کاکل میں تیرے فتنے ہیں ہر اک شکن کے ساتھ — ہنگامہ لگ رہا ہو ترے دم زدن کے ساتھ
رہ کوئی دن عدم بھی میں رنج و محن کے ساتھ — یہ بات دونوں جمع[۲] میں رکھتی ہیں اشتہار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

جلوے میں تیرے سیکڑوں جلووں کی ہو فنا — یعنی سحر پہ آنا قیامت[۳] کا ہے رہا
دن ہو گیا کہ سبط نبی مرنے کو چلا — ساتھ اپنے دے چکا ہو تلف ہونے کا قرار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

۱۔ غنیمت۔ ۲۔ دونوں دنیاؤں میں ۳۔ مشہور ہو۔ ۳۔ امام حسین اور ان کے ساتھیوں کی شہادت قیامت کے برابر۔

آبِ فرات پر تو یہ شب دن نہ ہو کبھی　　خوں ریز ورنہ ہونے لگے گا ہم ابھی
سید تڑپ کے پیاس سے مرجائیں گے سبھی　　پیغمبرِ خدا ہی کا پروردۂ کنار

فرداحسینؑ می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

دن شب کو کس امید کے اوپر کرے بھلا　　جو جانتا ہو یہ کہ ستم ہو گا برملا
چلے گی تیغ جور، کٹے گا مرا گلا　　اے وائے دل میں اپنے لیے حسرتیں ہزار

فرداحسینؑ می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

ایسا نہ ہو کہیں کہ نکل آوے آفتاب　　وہ جو غیور مرنے میں اپنے کرے شتاب
دے بیٹھے سر کو معرکہ میں کھا کے پیچ و تاب　　زخموں میں دونوں گیسو ہوں سر پر پڑے غبار

فرداحسینؑ می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

جس دم خطِ شعاعی ہوئے رونق دہی　　افگار ہو کے نیزۂ خطی[1] سے وہ حسینؑ
ہو ویں لگے ہم پیادے سوارانِ کردہیں　　ہو گا جدا وہ گھوڑے سے مجروح بے شمار[2]

فرداحسینؑ می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

---

[1] خطا کے بنے ہوئے نیزے بہت اچھے سمجھے جاتے تھے۔ [2] بے شمار زخموں سے چور ۱۲

تو ہو جبیں کے زخم سے جاوے گا کر کے پوشش — فرق مبارک اسکے میں مطلق نہ ہوگا ہوش
سجدہ میں ہو رہے گا جھکا کر کے تئیں خموش — آنے کا اپنے آپ میں کھینچے گا انتظار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

خورشید کی بلند نہ ہو تیغ خوں فشاں — ہے درمیاں نبی کے نواسے کا پائے جاں
ایسا اگر ہوا تو قیامت ہوئی عیاں — وہ حلق تشنہ ہوگا نہ تیغ آب دار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

روشن ہوا جو روز تو اندھیر ہے نداں — میداں میں صاف ہو کے کھڑا دیکھے گا جہاں
ناموس کی پھر اس کے نہ عزت ہے کچھ نہ شاں — اک شش جہت سے ہوگی بلا آن کر دوچار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

پھر بعد قتل اس کے غضب ایک ہے یہ اور — نخچی[1] چرخ راہ چلے گا انھوں کے طور
شیوہ جفا شعار ستم طرز جن کی جور — عابدؑ کے دست بستہ میں دیجائے گی مہار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

---

[1] ناقہ یعنی ایام کیطرح کی ترکیب

مردانِ اہلبیت جو ہوں گے مریں گے سب اس کے اناثِ بیت کو غارت کریں گے سب
ناموس کے جو لوگ ہیں سو دُکھ سہیں گے سب اِن قیدیوں کے لوہو میں ہووے گی رہگذار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

خورشید سا سر اس کا سناں پر چڑھائینگے عالم میں دن وہی ہے سیہ کر دکھائیں گے
بیٹے کے تئیں سوار پیادہ چلائیں گے ہوگا عنان دل پہ نہ کچھ اس کا اختیار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

پیکر میں ایک کشتہ کے ہوگی نہ نیم جاں خیل و حشم کا اس کے نہ پاویں گے کچھ نشاں
شوکت کہاں سر اس کا کہاں جاہ وہ کہاں یہ جائے اعتبار ہے، کیا یاں کا اعتبار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

صاحب موے، اسیر ہوے، شام جائیں گے سر کو جھکائے شرم سے ہر گام جائیں گے
ناچار رنج کھینچتے ناکام جائیں گے لطفِ خدائے عزّ و جل کے امیدوار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

۱؎ عورتیں ۲؎ فوج ۳؎ گھر کا سردار و وارث

لازم ہے خونچکاں روش گفتگو سے شرم   کر اس لہو گرنے کی ٹک آرزو سے شرم
تجھ کو مگر نہیں ہے محمدؐ کے رو سے شرم   بے خانمان ۔ بے دل و بے خویش بے تبار

فردا حسینؑ می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ ۔ بچہ رو میشوی سفید

راہِ رضا میں عاقبت کار سر گیا   ایسی گھڑی چلا کہ مدینہ نہ پھر گیا
جوں آفتاب جانب شام آ کے گھر گیا   خاطر شکستہ، غمزدہ، آزردہ دل فگار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ بچہ رو میشوی سفید

آثار دکھ کے ہیں در و دیوار سے عیاں   چھایا ہے غم زمین سے لے تابہ آسماں
کچھ میر ہی کے چہرہ پہ آنسو نہیں رواں   آیا ہے ابر شام سے روتا ہے زار زار

فردا حسین می شود از دہر نا امید
اے صبح دل سیہ ۔ بچہ رو میشوی سفید

انتیسواں[۲۹] مرثیہ

حیدر کا جگر پارہ وہ فاطمہ کا پیارا نکلا تھا مدینے سے ناموس لیے سارا
اس چرخ سیہ رو نے اک فتنہ کو سنگارا اس ظلم رسیدہ کو کن سختیوں سے مارا
کرتا تھا وہ آنکھوں سے خون جگر افشانی
دریا کے کنارے پر پایا نہ تنک پانی

اس قوم کو تھی اس سے اک دشمنی جانی اس مرتبہ بے بر گی اُس در جہ نوا خوانی
وہ یوسف ثانی تھا جیسے کہ ہو زندانی مہمان عزیز ایسا تس کی ہو یہ مہمانی
کھانے کو جراحت تھے پینے کے تئیں خوں تھا
سب ساتھ کے لوگوں کا احوال دگرگوں تھا

سب چل بسے ہمراہی اس وادی ویراں میں کوئی نہ رہا اس کے انصار میں اعواں میں
تو نیزہ چڑھا پانی اس ظلم نمایاں میں پر پانی نہ دیکھا تھا جز دیدہ گریاں میں
آخر کو سفر اپنا ناچار ہو ٹھہرایا
کیا کیا نہ خیال اس کو جاتے ہوئے آیا

ناموس کے بے جا گہ اس آن اترنے کا ہمراہیوں کے جی سے ناچار گزرنے کا
گھر بار کے جلنے کا، فرزندوں کے مرنے کا انصاف ستم ہر گز یاروں کے نہ کرنے کا
سودا گری کی واں سب رسم اٹھا دی تھی
آزار رسانی کی تاکید و منادی تھی

اس ہمشیرۂ بے وارث اندوہ کی ماری کا — اس دختر بے مشفق نادان بچاری کا
اس جمع پریشاں کی اوقات گزاری کا — اور خانہ خرابی کا بیٹے کی نزاری کا
مرنے کا نہ تھا جی پر نا چار موا آخر
سر جس لیے دھنتا تھا پھر سو ہی ہوا آخر

خیمے کو جلاتے تھے آشوب اٹھاتے تھے — شمشیر بیں علم کرتے بے وسوسہ آتے تھے
لے جاتے تھے واں سے جو نکلے کو ہی پاتے تھے — جاروب کر اس گھر کو سب خاک اڑاتے تھے
احمدؐ کا نہ پاس ان کو حیدرؑ کا نہ اندیشہ
تھا جور و ستم شیوہ بیداد گری پیشہ

جب وہ شہ بے لشکر میداں میں گیا مارا — گھر بار جلا یکسر ناموس لٹا سارا
سر آ پڑی عابدؑ کے سو بیکس و بیچارا — بے طاقت و بے ہمدم بے یاور و بے یارا
حیران سلوک ان کا کرتا تھا نظر سب پر
سو آنسو پلک پر تھے سو نالۂ دل لب پر

اس راہ کے چلنے کی کیا اچھی علامت تھی — آنے کی مدینہ سے ہر اک کو ندامت تھی
ہر حرف تھا اک طعنہ ہر بات ملامت تھی — فریاد سکینہ سے ہر گام قیامت تھی
جب رونے وہ لگتی تھی کلثومؑ موئی جاتی
زینبؑ گلے سے لگ کے کچھ غش سی ہوئی جاتی

کوئی نہ رہا جس کو ہو کچھ غم‌ِ دلداری غیروں سے دل آزاری، اپنوں سے یہ کچھ خواری
عابدؑ کی وہ بیماری، وہ بے کسی، بے یاری ہوش کے اٹھانے کی کس طرح سے تیاری
اسباب نہیں مطلق وارث نہیں ہے کوئی
یاں بات نہیں سنتے یکسو رہی دلجوئی

فرصت نہیں ہے اتنی جو دم بھی لیا جاوے تاکید میں چلنے کی کیا فکر کیا جاوے
کیونکر کہ نہ عابدؑ پھر پانی سا ہوا جاوے بیمار ساہو قبیلہ سب یوں جس کا لٹا جاوے
کیا کیا نہ پدر مردہ بے طاقتی کرتا ہے
ہر آن میں گرتا ہے، ہر گام پہ مرتا ہے

انواع ستم میں گے بے تاب و تواں اوپر اقسام جفا ہیں گے دل خستہ جواں اوپر
کچھ طعن نہیں تنہا ہر اک کی زباں اوپر سر باپ کا تھا آگے جاتا تھا ساں اوپر
اس سخت مصیبت پر کس دل کو شکیب آوے
پتھر کا جگر ہو تو یاں آب ہو بہ جاوے

قسمت میں نہ تھا قاسم کے اے فلک ایسا مرنا دولھن کے تئیں اس کی سب عمر تھا دکھ بھرنا
اکبرؑ کے نہ تھے طالع جو گور میں ہو رہنا کانوں نہ سنا ہرگز اصغر کا سخن کرنا
ارمان جو دل میں تھے دل ہی میں رہے سارے
کیا وقت برا آیا بے وقت سگئے مارے۔

ناگہ نظر زینب میداں کی طرف آئی اک لاش میں بھائی کے پیکر کی طرح پائی
بے تاب ہوئی از بس آخر گری چلائی رو رو کے لگی کہنے کچھ دجہ بھی اے بھائی

۱ - انداز - مشابہت ۱۲

موہنہ تک جو ترا ادھر ہوتا نہیں ہے ہرگز
مردے پہ ترے کوئی رُوتا نہیں ہے ہرگز
کیا تجھ پہ ہوا ثابت جو لوٹ لیا سب گھر کیا تو نے کیا جس سے دشمن ہے یہ سب لشکر
کیا جرم ہوا سرزد جو سر نہیں ہے تن پر جو پردگی ہے کیوں ہے بے پردہ و بے چادر
کچھ بول سبب کیا تھا، کیوں تیرے تئیں مارا
ناموس بیاباں میں کاہے کو ہے آوارا

وہ خانۂ دولت ہے اب غیرت ویرانہ برباد کیا سارا اسباب امیرانہ
ہیں پردہ نشیں اکثر رستے میں فقیرانہ چلنا ہمیں آیا ہے درپیش اسیرانہ
مردے کو ترے ہم جو چھوڑے ہوئے جاتے ہیں
افراط خجالت سے ہر دم موئے جاتے ہیں
اس پیکر مردہ سے کر دل کے تئیں خالی ناچار گئی آگے بے وارث و بے والی
پھر حد سے ہوئی افزوں بیچارگی بحالی تو نے بھی قلم اپنے یاں ہاتھ سے گر ڈالی
تو میر کیا اچھا لکھنے کا نہ تھا شایاں
نانوشتہ ہی بہتر ہے ایسا غم بے پایاں

تیسواں مرثیہ

حسینؑ ابن علی عالی نسب تھا　سزائے عزت و باب ادب تھا
جفا و جور کا شائستہ کب تھا　سلوک اسلامیاں سے یہ عجب تھا
کہ اس جہاں کی عزت نہ کیجے
ضیافت یکطرف پانی نہ دیجے

کسو کافر سے ایسا ہو نہ کردار　ہوا اسلامیوں سے جو باصرار
کجی رفتار کی، تلخی گفتار　بس اوپر کھینچ کر ہر اک نے تلوار
بہت بے ڈول اس پر آزمائی
علیؑ کے موہنہ سے کچھ بھی شرم آئی؟

محمدؐ جس کی سب امت کہا دیں　اسی کی آل کا لوہو بہا دیں
علیؑ سن کر جسے سب سر جھکا دیں　اسی کے گھر کو بن پانی رلا دیں
نہ ہے اسلام، نا در لوگ، خوش دور
عجب آئیں، عجب ایمان، عجب طور

اسے ماریں، جسے دیں کی امامت　نہ ہووے پھر کسو کو کچھ ندامت
کریں برپا ستم ہے اک قیامت　علاوہ اس پہ تشنیع و ملامت
حیا مطلق نہ غارت ہے کسو کو
نہ بہرہ کچھ مروت سے کسو کو

رہے بے کس جو پایا، مار ڈالا
رکھا میداں میں سر کو نیزہ بالا
پسر کو کا نیتا گھر سے نکالا
بٹھائیں عورتیں رستے پہ لا، لا
نہ کچھ کی دل دہی زین العبا کی
نہ کچھ روئے محمدؐ سے حیا کی

علیؑ کے تئیں سزا وارا جانا سبھوں نے
محمدؐ کو نہ کچھ مانا سبھوں نے
برا شبیر کا ٹھانا سبھوں نے
کیا اس گھر کو ویرانا سبھوں نے
رہا تنکا سا عابد کش مکش میں
حرم کے لوگ بیحالی سے غش میں

علیؑ اکبر کہ تھا شکل محمدؐ
طرف اس ایک کے ہوتے تھے سو صد
اٹھائے اس نے جس دن زخم بیحد
لگا موہنہ کر نجف کو کہنے کاشے جد
ستم ہے، شور ہے، جور و جفا ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا ہے

پڑی تھی دھوپ میں وہ لاش مظلوم
کسو کا دل تنک ہوتا نہ تھا موم
اسیری اور غارت کی مچی دھوم
تردد تھے کے لے جانے کا معلوم
رہا تھا عابدؑ سوزار و بیمار
یہ جس کی کچھ دوا نے جس کا تیمار

۱ لائق ۲ مستحق ۳ عمل، برتاؤ ۴ طعنے ۵ حصہ، تعلق ۶ عبادت کی رونق حضرت عابدؑ کا لقب

زناں مو[10]یہ کناں سب خاک بر سر — کہیں تھی روبہ مدینہ کی طرف کر
کہ مصطفیٰ ہو ٹک اے ختم پیمبرؐ — مصیبت کس قدر ہے آل او پر
کہیں کس سے کوئی حاکم نہیں ہے
نہ جد ہے نے امیر المومنین[11] ہے

ریاست کے لیئے شبیرؑ مارا — بھلا یوں اس کی تھی تقدیر مارا[12]
سبھوں کو کیوں ہے بے تقصیر مارا — علی اصغرؑ کے تئیں کیوں تیر مارا
چھپائیں عورتوں کی کیوں ردائیں
روا کا ہے کو رکھیں یہ جفائیں

چلا سر کٹ کے اس جانِ جہاں کا — گرا ہے خاک پر خوں ہر جواں کا
ہوا ستھراؤ یوں خرد و کلاں کا — مقرر[12] لوٹنا ہے خانماں کا
کسو ملت میں ایسا کبھی ہوا ہے؟
نیا وارث ہمارا ہی موا ہے؟

سکینہ کا گنہ کیا ہے بتا دیں — پدر مردہ کو کس خاطر[13] کڑھاویں
کہاں فریاد لے کر ہائے جاویں — کسے یہ ماجرا سارا سنا دیں
عبث ہر لحظہ ہم سب پر نئی ہے
حیا اک رسم تھی سو اٹھ گئی ہے

۸؎ توجہ خبر گیری ۹؎ گریہ ۱۰؎ حضرت علیؑ ۱۱؎ کو "محذوف کر دینا میر کے دور کی عام خصوصیت ہے۔
۱۲؎ دیباچہ جواہر سخن جلد دوم (از پروفیسر مسعود حسن رضوی) ۱۳؎ مقرر

عدو تو نہ تھا جس کو مارا | گنہ قاسمؑ کا کیا جو اس کو مارا
کہوں میں کب اک کس کس کو مارا | ستم سے جور سے جس تس کو مارا
رہا وارث نہ غیر از عابدیں کے
پڑے ہیں خاک میں ارکان دیں کے

سو ٹپکے ہے لہو اس کے سخن سے | بندھے ہیں ہاتھ دونوں اک رسن سے
ہوا ہے اب اسیر آ کر وطن سے | علیؑ رنجور دم اب تک ہے کفن سے
کہاں مہلت گزشتہ کے تئیں اٹھاویں
نہیں فرصت کہ ٹک رو کر بھی جاویں

جلے خیمے، لٹا گھر بار سارا | ہوا کنبہ سبھی بندی ہمارا
جوان و پیر سب کو تشنہ مارا | اگرچہ یہ تھا دریا کا کنارا
یہ قطرہ آب کا دُرّ و گُہر تھا
کہ لب خشکی سے ہر اک چشم تر تھا

کرے عابدؑ کہاں تک غمگساری | جسے بیماری تن کی نزاری
کھنچی ہے دو تک اپنی یہ خواری | اٹھانا پانوں کا اس پر بھی بھاری
ہو ایسے حال میں کیونکر دلاسا
کرے کس کس کی دلداری وہ پاس آ

کہیں زینبؑ بہن، زہراؑ سے مادر   کرے گا کون اب ہم سوں کا آدر
پڑا ہے خاک میں بے سر برادر   لیے جاتے ہیں چھینے سر کی چادر

کہاں لے جاؤں بھائی کو اٹھا کر
اڑاؤں خاک کس کے آگے جا کر

ہمیں بازار میں لا کر بٹھایا   کیا پامال ایسا سر اٹھایا
تسلی کو بھی کوئی ٹک نہ آیا   کفن جی سے کسو نے بھی نہ پایا

ستم پر ہے ستم یہ، جور پر جور
زمانہ ہو گیا پل مارتے اور

سکینہؑ جب کرے ہے باپ کو یاد   قیامت ایک ہو جاتی ہے بنیاد
اٹھے ہے ہم اسیروں میں جو فریاد   تو یہ کرتے ہیں ظلم اک اور ایجاد

کہاں مقدور یہ اس ناتواں کا
کہ ہووے پیش رو اس کارواں کا

نظر میں باپ کا ہے سر سناں پر   پڑے ہے آنکھ لوٹے کارواں پر
بنے ہے آن کر ہر گام جاں پر   مصائب ہیں غرض اس ناتواں پر

ابھی میداں میں دس جا گہ گرا ہے
چلا جانا نہیں پر رہ گرا ہے

جو رکتا ہے بہت تو وا اٹھے ہے   جو گرتا ہے تو طاقت کھو اٹھے ہے
کہے ہے یوں تو شور اک ہو اٹھے ہے   کہ دیکھوں باپ کب تک سو اٹھے ہے

سر رہ قافلہ ہے کوئی بولو!!
کر و رخصت اسے ٹک آنکھ کھولو

ہوئے سب شام کو آخر روانا　　کہ جن کو ٹھو رتھی نے کچھ ٹھکانا
بہت بیدردیوں پر تھا زمانا　　کچھ آگے شرح و بسط اچھا نہ جانا

قلم کہہ میں نے توڑ ڈالا
سر اپنا پتھروں سے پھوڑ ڈالا

اکتیسواں مرثیہ

جہاں ہم کو اسیروں کا کوا[۱] ہے ہمارا تشنہ لب صاحب موا ہے
ستم آگے کبھی ایسا ہوا ہے ٹک اک انصاف سے دیکھو خدارا

— ۲ —

فرات اوپر کسو کا تھا کنایا[۲] کہ اسے بے تہ نہ تھا کیا اتنا پایا
حسینؑ ابن علیؑ پیاسا کھپایا گیا تو بیچ میں سے کر کنارا

— ۳ —

کوئی رو رو کے کہتی تھی زمیں سے کہ تجھ کو بھی کدورت تھی انھیں سے
اگر تو چاک ہو جاتی یہیں سے نہ ہو سکتا ترے اوپر گزارا

— ۴ —

حسینؑ آ کر نہ اس جا خیمہ کرتا نہ اس کا دار[۳] و دستہ کٹ کے مرتا
نہ سر اس کا کوئی نیزے پہ دھرتا نہ ہوتی خاک میداں خوں سے گارا

— ۵ —

نہ پھرتا اس طرح ہم سے زمانہ نہ ہوتے شام کو ہم یوں روانہ
نہ لگتا عابدؑیں کو تازیانہ نہ ہوتی حشر[۴] دنیا میں دوبارا

۱؎ کوا (کنواں) اٹھارویں صدی میں عام طور پر مستعمل تھا۔ ۲؎ اشارہ ۳؎ خاندان ۴؎ حشر کو میر نے ہر جگہ مونث باندھا ہے۔ شیکسپیر کے مرتب کئے ہوئے ہندستانی انگریزی لغت میں بھی حشر اور محشر مونث لکھے گئے ہیں (یہ لغت پہلی بار لندن سے ۱۸۱۷ء میں شائع ہوا اور ۱۸۳۴ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن وہیں سے نکلا)

۶

کوئی بیتاب تھا یا کوئی مضطر نہ تھی اک پردگی[1] کے سر پہ چادر
ہوا رُو[2] ئے سخن سوئے پیمبر کہ زین العابدینؑ[3] رو کر پکارا

۷

گلے میں طوق کرتا ہے گرانی ہوئی ہے سخت مشکل زندگانی
کہوں کس سے غم درد نہانی نہیں اس درد کا مجھ پاس چارا

۸

رہے ہیں ہم جو پیچ کشمکش ہے تنوں کو رنج ہے جانوں کو غش ہے
موا قرباں ہو جو اس پر سو خوش[4] ہے نہ تھا جینے میں ایسے اس کا وارا[5]

۹

نہیں چلتا ہے ہم پر دل کسی کا نہیں رکھتے ہیں پاس اب تجھ نبی کا
رہا تھا رو[6] کچھ اک ابن علیؑ کا سو اپنے ساتھ سر کے لے سدھارا

۱۰

وہ سید کشتۂ شمشیر نامرد پڑا ہے خاک میں جس پر ہنوز گرد
علیؑ کا نور عین و ناز پرورد تمھارے آنکھوں کی پتلی کا تارا

۱؎ پردہ کا اسم فاعل۔ پردہ کرنے والی ۲؎ تخاطب ۳؎ مراد حضرت عابد ۴؎ خوش اور خود کا قافیہ فش اور جید کے ساتھ فارسی میں مستعمل ہے میر نے اردو میں بھی اسے نظم کر دیا ہے۔ ۵؎ فائدہ ۶؎ لحاظ

۱۱

نہیں فرصت کہ سوچوں خاک کے تئیں　　تسلی دوں دل غمناک کے تئیں
گر سوچوں خدائے پاک کے تئیں　　کہ وارث کون ہے اُس میں ہمارا

۱۲

گیا وہ قافلہ آخر سوئے شام　　دلوں پر داغ ناامید و ناکام
ولیکن عابد بیمار ہر گام　　جگر کرتا تھا مثل سنگ خارا

۱۳

کبھی غم سے نہیں ہے گرم جوشی
کروں میر اختیار اب میں خموشی
کہوں کیا شامیوں کی چشم پوشی
دعا[۱] گفتند آں مردم حیا را

---

[۱] ان لوگوں نے حیا کو دعا کہدی۔ سلام کرلیا۔

بتیسواں مرثیہ ۳۲

دکھ سے تیرے کلام یا امام یا حسینؑ
لیجئے کس منھ سے نام یا امام یا حسینؑ

ہائے رے تیرا جگر، یاور و خویش و پسر
قتل ہوئے بالتمام یا امام! یا حسینؑ

قہر، ستم، ہے غضب، ساحل دریا پہ سب
مارے گئے تشنہ کام یا امام یا حسینؑ

لاش تری پیچھے ہو، آگے پڑھیں سب نماز
پھر کہیں تجھ کو امام یا امام یا حسینؑ

ہوتے ہیں ٹکڑے جگر لوگ جو حسرت سے تھا
کہتے ہیں ہنگام شام یا امام یا حسینؑ

تو تن تنہا ادھر، اور ہزاروں ادھر
ایک پہ یہ ازدحام! یا امام یا حسینؑ

مبتلی ہوئے اہلبیت آ کے پھرے یا کیے واں
جن کو نہ جائے مقام یا امام یا حسینؑ

راہ چلا کیسی تو، جس میں قیامت رہی
سر گئے ترے گام گام یا امام یا حسینؑ

خاص کر ایک ایک کو ذبح کیا ظلم سے
قتل تھا یا قتل عام! یا امام یا حسینؑ

لٹتا ہے اس طور کبھی خاک میں ایکبار گی
وہ حشم و احتشام - یا امام! یا حسینؑ

قہر و قیامت غضب، کہتے ہوئے نکلے سب
پردگیان خیام - یا امام! یا حسینؑ

مردم عزت طلب، خوار ہوئے دشت میں
کون کرے احترام یا امام یا حسینؑ

کوئی نہ پیچھے رہا جو کرے ٹک و آرتی
پہلے ہوا سب کا کام یا امام یا حسینؑ

چھوٹے بڑے سامنے مر گئے ہو کر کھڑے
خوب ہوا اختتام: یا امام یا حسینؑ

جن و ملک آدمی، سب کو کریں قتل اگر
ہو نہ ترا انتقام! یا امام یا حسینؑ

داغ ہوئی جان پر کیا کہے اب وہ فقیر
غیر درود و سلام - یا امام یا حسینؑ

۱ے وزن کے اعتبار سے یہ لفظ قابل غور ہے ۔ ۲ے خیموں میں رہنے والے یعنی [illegible] ۳ے وارث تشنہ ۔ ۳ے کام ہوا یعنی کام تمام ہوا

تینتیسواں مرثیہ

الوداع! اے افتخار نوع انساں الوداع
بادشاہ کم سپاہ اہل ایماں الوداع

اے تمنائے دل زہرائے بیکس ہے دریغ
وے ستم گشتہ۔ علیؑ کے نخل اشجاں الوداع

ہو گئے پانی جگر حسرت سے جب تو نے کہا
خشک لب الحرم سے ہو گئے گریاں الوداع

مر گیا محروم سب چیزوں سے تشنہ بھی گئے
ساتھ تیری جاں گئے صد گونہ حرماں الوداع

یوں چمن کو کس نے دکھلایا ہے آگے معرکہ
سرخ تھی سب تیرے خوں سے خاک میداں الوداع

اے برنگ خال مشکیں داغ! تجھ پر صد صلوات
وے لباسِ گیسواں خاطر پریشاں الوداع

مرگ اصغر میں ہوا ہنگامہ برپا حشر کا
تو نے رو کر جو کہا اے طفل ناداں الوداع

کھانے پینے کی رہی کیا قید تجھ پر ہے ستم
اے عزیز! اس مجلس ویراں کے مہماں الوداع

ہائے رخصت تیری یوں کیونکر ہوئی بے اتفاق
دشت تو بے آب سب۔ یہ سر پہ طوفاں الوداع

خوبی تیرے دم سے تھی آخانہ سازو بیں درود
گھر تو پھر سب ہو گیا اک دم میں ویراں الوداع

مر گئے بیٹے بھتیجے سب ترے تقصیر سے
ہو گیا تو حال میں اپنے ہی حیراں الوداع

نقل کیا اب بے سروسامانی تیری کیجئے
اے نہ تیرے تن پہ سر، نہ سر کو ساماں الوداع

عورتیں بیکس گئیں سو لٹ گئے ان کے بالے والے
کہہ گئے آگے ہی سب انصار و اعواں الوداع

پاس پیکر کے کھڑی کلثوم۔ لب پر الفراق
ساتھ سر کے تھی زینب خاک افشاں الوداع

خاک میں بھی دفن ہونا تیری قسمت میں نہ تھا
اے تمام اندوہ! کم انبوہ سلطاں الوداع

تو مسافر ہو گیا۔ دو گام چل کر اے حسینؑ
شہر بانو گئی بیاباں در بیاباں الوداع

ایک بڑا بیکس دبیمار سو کیا کیا کرے   زاری و فریاد و آہ و سوز و افغاں الوداع

مرثیہ تو میرؔ تو کہتا ہی تھا پر اب کی یہ!
کیا کہی ہے ہائے اے نمناک مژگاں الوداع

چونتیسواں مرثیہ

کیا نحس تھا دن روز سفر ہائے حسینا ناموس کو نے گھر ہے نہ در ہائے حسینا
اعوان ترے جو تھے انھیں کھا گئی تلوار انصار ترے سب گئے مر ہائے حسینا

واماندہ ترے کہتے ہیں سر پیٹ کے تیرا ہم کیوں کہ کریں عمر بسر ہائے حسینا
مدت تئیں کر یاد زمانے کو ترے ہم روتے رہیں گے آٹھ پہر ہائے حسینا

تجھ بن کمریں ٹوٹی ہی جاتی ہیں اگرچہ ہم باندھتے ہیں کس کے کمر ہائے حسینا
منظور نجابت، نہ شرافت، نہ سیادت اب عیب ہوئے سارے ہنر ہائے حسینا

وارث نہیں جو پانی دیں ہم بیکسوں کو باقی ہے سو بیار پسر ہائے حسینا
تیرا ہی جگر تھا کہ ستم تو نے یہ دیکھے سب ٹکڑے ہوئے تیرے جگر ہائے حسینا

اس دشت میں یہ منفعت آ کر کے اٹھائی تو کھینچ گیا جی کا ضرر ہائے حسینا
جز جور و ستم کچھ نہیں دنیا نے دکھائی جاتی ہے جدھر اپنی نظر ہائے حسینا

لا لا کے بٹھاتے ہیں ہمیں راہ گزر میں تو جی سے گیا ہے جو گزر ہائے حسینا
اکبر کو کہ اصغر کو کہ قاسم کو کہ ڈھونڈیں ہم کیا خاک برابر ہیں گہر ہائے حسینا
ایسا تو گیا اٹھ کے کہاں گھر سے کہ ہم تک پھر آئی نہ کچھ خیر خبر ہائے حسینا

---

۱ عون کی جمع مدد کرنے والے ۲ جمع نصر کی ساتھ دینے والے ۳ جو لوگ زندہ بچے ہیں
۴ بمعنی ہر چند ۵ اچھے خاندان سے ہونا ۶ رسول کی اولاد ہونا ۷ فارسی محاورے کا ترجمہ اٹھا گیا

نے سایہ جہاں بیٹھئے ۔ نہ سر پہ ہے چادر
ہے حال نہایت ہی ابتر[۱] ہائے حسینا

ہم دست تلطف سے ترے اٹھتے ہی سارے
ہر جس کے ہوئے دست نگر ہائے حسینا

اس قوم سیہ رو نے دریدہ دہنی[۲] سے
کچھ کسر[۳] میں چھوڑی نہ کسر ہائے حسینا

کیا اکبرؑ و قاسمؑ ہیں سبھی حلق بریدہ
یہ پودے عجب لائے ثمر ہائے حسینا

ہر سمت کو سر مارتے جنگل میں پھرے ہیں
اب جا کے تجھے ڈھونڈیں کدھر ہائے حسینا

ٹھہرے ہے کوئی جن و ملک تیری جگہ پر
یہ صبر نہ تھا حد بشر ہائے حسینا

کیا کیا نہ اذیت ہمیں دیتے ہیں گزندے[۴]
حیدرؑ نہیں جس کا ہو خطر ہائے حسینا

انواع ستم دیکھتے ہیں تیرے ہوئے ہم
کھول آنکھ ٹک انصاف تو کر ہائے حسینا

آگے بھی کہیں میر جو کچھ بات رہی ہو
ہے لب پہ یہی شام و سحر ہائے حسینا

---

۱ ابتر ۲ بدتمیزی ۔ بدکلامی ۳ توڑنا ۔ تباہی ۴ گزند پہنچانے والے

پہلا سلام

اے شہ عالی مقام تجھ پہ درود و سلام
بعد ہزاراں سلام تجھ پہ درود و سلام

اے شہ من الوداع وے مومن الوداع
اے گل تر السلام تجھ پہ درود و سلام

آئے ہے بے اختیار صلِّ علیٰ[1] لب پہ ساتھ
لیتے ہیں جب تیرا نام تجھ پہ درود و سلام

راہ روِ راہ راست، قطرہ زناں گریہ ناک
کہتے گئے گام گام تجھ پہ درود و سلام

بھیجتے ہیں صبح و شام بعد قعود و قیام[2]
اہل مساجد تمام تجھ پہ درود و سلام

کیا کہے غیر از سکوت، داورِ محشر، اگر
چاہیں ترا انتقام تجھ پہ درود و سلام

داد رے اسلام دیں، سبط محمدؐ سے کیں
قتل بھی پھر قتل عام تجھ پہ درود و سلام

آہ لب آب سب تجھ پہ یہ رنج و تعب
جی سے گیا تشنہ کام تجھ پہ درود و سلام

کیا کہیں ہم یا امام دل کے تئیں تھام تھام
کہتے ہیں ہر صبح و شام تجھ پہ درود و سلام

حرف ہو کچھ تو کہیں تیرے تقدس کے بیچ
کہتے ہیں یاں ہم لا کلام تجھ پہ درود و سلام

مردم پیشیں سے گر پیچھے ہے تیرا ظہور
پر تو ہے سب کا امام تجھ پہ درود و سلام

رُو کے ترے رنگ سے خوبی تھی اس باغ کی
اے گل خیر الانامؐ[3] تجھ پہ درود و سلام

اب کہے سو کیا کہے میر زمانہ زدہ
روز و شب و صبح و شام تجھ پہ درود و سلام

۱؎ خیر و برکت ہو ان پر ۲؎ نماز پڑھنے میں کھڑے ہونے، جھکنے، بیٹھنے اور سجدہ کرنے کو علی الترتیب قیام، رکوع، قعود اور سجود کہتے ہیں ۳؎ رسولؐ کا لقب

دوسرا سلام

اے بدخشان[1] نبی کے لعل احمر السلام
وے گلستان علیؑ کے لالۂ تر السلام

ایک ساعت ہی میں امت پھر گئی نانا کی سب
کیا قیامت لائی تیرے سر کے اوپر السلام

بوند بھر پانی نہ دریا پر تجھے پینے دیا
اے تمنائے دل ساقیِ کوثر السلام

سب کنارے لگ گئے تو بحر خوں میں غرق ہے
اے کنار[2] مصطفیٰ کے ناز پرور السلام

تو تو شاہ دیں تھا ایسا ہو گئے بیکس کیوں آہ
اب نہ تن پر سر ہے نے سر پہ افسر السلام

بات کو بے پردہ کہیے کس طرح اب ہائے ہائے
ہیں حرم کے لوگ اب محتاج چادر السلام

کیا ستم کشیاں بیاں تیری کرے دل خستہ میر
نام تیرا سن کے آنکھیں ہوتی ہیں تر السلام

تیسرا سلام

ساقیِ کوثر کے پیارے السلام
تشنہ لب شہید[3] ہمارے السلام

صبح تیرے قتل کی تھی صبح تیرہ[4]
شام کے لوگوں کے مارے السلام

آسماں خم ہے تری تعظیم میں
تیرے ساجد[5] ہیں ستارے السلام

---

[1] وہ ملک جہاں کے لعل بہت اچھے کہے جاتے ہیں [2] گود، آغوش [3] سردار، پیشوا [4] سیاہ، تاریک
[5] سجدہ کرنے والے، تعظیم کرنے والے۔

تھے ہزاروں خصم جانی اس طرف — تم گئے رب کس بچارے السلام
بحرِ خوں میں غرق ہو چھوٹے بڑے — لگ گئے تم سب کنارے السلام
گور بیں لاشیں تمھاری بے نماز — تم امام دیں تھے سارے السلام
راہِ حق میں تجھ سے جانبازی ہوئی — بے خطر مردِ ثبینے ہارے السلام
کیا کہے اب میر غم کش اس سوا
کاے ہمیشہ کے دکھیارے السلام

چوتھا سلام

اے گل خوش رنگ گلزار شہادت السلام — تیری مظلومی کی سب دیں گے شہادت السلام
جور دیکھے تو نے کیا کیا لعل سنگ جور سے — اے کہ گزری تیرے او پر سخت حالت السلام
شام کے لوگوں نے یوں تجھ کو مکدر کر دیا — اے مہ تابندہ برج امامت السلام
کار رواں در کارواں بار الم تجھ سے کھنچا — حوصلہ کس کا جو کھینچے یہ ملالت السلام
قامت دل کش ترا بے سر پڑا تھا خاک میں — کربلا میں تجھ پہ گزری ہے قیامت السلام
ہائے غیبت میں تری عالم سیہ سب ہو گیا — اے فروغ چہرۂ صبح سعادت السلام

۔ہمارا دینوالے ۔کھیون ہارے تو اب بھی مستعمل ہے ۔ ۲۔ دکھیارے میر نے اپنے زمانے کے تلفظ کے اعتبار سے نظم کیا ہے۔ یوں بھی بولتے ہیں ۳۔ خاک آلود ۴۔ رنج ۵۔ تیری غیر حاضری میں۔ تیرے مرنے کے بعد

تند باد ظلم نے تجھ کو دیا سا گل کیا — اے کہ تو تھا زینب ایوان رسالت السلام
کب عقیدے میں محبوں کے برابر ہو سکے — ایک سجدے سے ترے صد سالہ طاعت السلام
میر کم گو.... تیری بیاں کب کر سکے
تو ہی اپنی جانے ہے قدر و جلالت السلام

پانچواں سلام

اے شہ اقلیم شوکت السلام — رونق تخت خلافت السلام
اختر چرخ سیادت[1] السلام — نیر برج سعادت السلام
تو جو ناگہ خانہ روشن[2] کر گیا — تیرہ ہے بزم رسالت السلام
مقتدا[3] تو پیشوا دل کا رہا — تجھ کو زیبا تھی امامت السلام
تو ہے جس پہ دم بہ دم بھیجیں درود — یا کہیں ساعت بہ ساعت السلام
کربلا میں تو جہاں قائم رہا — تھا قیام اس جا قیامت السلام
بات کہتے جان اپنی دے گیا — اے تمامی جود و ہمت السلام
امتحان حق سے یوں نکلا ہو کون — اللہ اللہ تیری عزت السلام
وادی بے آب میں تو کیا کھلا — اے گل باغ امامت السلام
غم میں تیرے خاک ہو کیونکر نہ میر
سخت تھی اس کو کدورت السلام

۱۔ سرداری پیشوائی ۲۔ محاورے میں ویرانی مراد ہے۔ ۳۔ رہبر۔ ہادی ۴۔ آزردگی، رنج

بہ سلسلۂ صفحہ ۹

دوسرے مرثیے میں اٹھارویں بند کے صرف دو مصرع تھے۔

پسر ایک شش ماہہ بھی دے گیا — گھر کیسے کیسے ہوئے پائمال

پانچویں مرثیہ میں پندرھواں بند یہ تھا۔

فلک حال پر تیرے روتے ہیں آہ — کہاں ہوں گے یہ دیدۂ مہر و ماہ
جہاں اس کی آنکھوں میں ہوگا سیاہ — کرے سو جھتا .... تو بہتر ہے کل

چھٹے مرثیہ میں سترھویں بند میں صرف یہ آخری دو مصرع تھے۔

یہ جور کسو مذہب و ملت میں نہ دیکھا — مارے بھی پڑا کرتے ہیں سرِ دار حسینا

ساتویں مرثیہ میں آٹھواں بند یہ تھا۔

شادی رچی ہے ایسی کاہے کو کوئی آگے — دولہا کے دست و پا میں لوہو کی مہندی لاگے
بزم عروسی میں سے ہم روتے کڑھتے بھاگے — نوشاہ کا گھوڑا کھیے یا اس کے تئیں گوارا

آٹھویں مرثیہ میں سترھواں اور اکیسواں بند یہ تھا۔

خاک سیہ سے یوں ہو برابر — وہ شہ جو سب سے رتبہ میں برتر
تابع جو اس کے کسریٰ نہ قیصر — خادم اسی کے یا ہووے جا کر طالع
دیکھا تمرد صاحب منصب نرالا — رو کش علی کا کس کو نکالا
کر لے جس کو اس کا اجالا — لیجے ریاست اس سے چھٹا کر

دسویں مرثیہ میں چھبیسویں بند کی جگہ یہ تین مصرع تھے۔

کوئی کہے تھی کہ رکھتا نہ تھا حسین نظیر — برابری نہ کوئی اس کی کر سکے گا امیر
.... — جہاں ہو قتل تو ہووے نہ خون بہائے حسین

بارھویں مرثیہ میں نواں بند یہ تھا

خیموں پہ تیرے دوڑ پڑی ناگہاں ...... اسباب ہیں ردا نہ ہماری کوئی رہی
بے پردہ ہوکے ہم نے ہر اک کی جفا سہی عابد ضعیف در تئیں آیا کھنچا ہوا

تیرھویں مرثیہ میں چوبیسویں بند کے آخری دو مصرع یہ تھے:۔

ہے وہ ناداں نہ کہیں خوف اثر کر جاوے کرتی رہیو مرے پیچھے اسے ٹک پیار بہن

چودھویں مرثیہ میں چودھویں بند کے آخری دو مصرع یہ تھے۔

ہر سمت شور و شر تھا درپیش اسے سفر تھا یہ کچھ ستم اٹھایا۔ پر منھ پہ کچھ نہ لایا

سولھویں مرثیہ میں انیسواں بند یوں تھا:۔

ہر ایک کے لبوں پہ حکایت ہے خونچکاں اس دوسری .... پر شور ہے جہاں
القصہ بے حسینؑ قیامت ہے درمیاں کیا کیا کریں ہیں بہنیں بیاں وا مصیبتا

چھبیسویں مرثیہ میں تیسرا بند یوں تھا:۔

شامیوں کے ہاتھ سے ہو کر ہلاک .... کسو کی مشت خاک
دھوپ میں جلتا رہا وہ جسم پاک سایہ پرور کو گئے تم اپنے بھول

اونتیسویں مرثیہ میں آٹھواں بند یہ تھا:۔

تھے خیمہ نشیں جتنے بے پردہ وہ ہو بیٹھے پھر سر کی ردائیں بھی اس ...... میں کھو بیٹھے
برباد گئی عزت! ناموس کو رو بیٹھے اس درد کو وہ پہنچے اس طور سے جو بیٹھے

وارث کے موئے کوئی .... نہیں بیدادی
اس ظلم کے ہوں جا کر کس کے کنے فریادی (تمام شد)

ناشر
انجمن محافظ اردو
نیا محل، منصور نگر
لکھنؤ